ایڈیٹر

فتح چند نسیم

جائنٹ ایڈیٹر

کنھیّا لال ثاقب بی۔ اے (آنرز)

قیمت سالانہ ۳ ر   فی پرچہ ۵ ر

اغراض و مقاصد

(۱) علم ادب و سیاست قوم کی خدمت کرنا (۲) ملک کے اندر قومیت کی روح پھونکنا اور اتحاد پیدا کرنا (۳) قوم کو صحیح سیاسیات سے آگاہ کرنا (۴) ملک کو صنعتی تجارتی ترقی پر آمادہ کرنا (۵) ملک کو مستورات عورتوں اور بچوں کو حسن اخلاق کی تعلیم دینا (۶) ہر مذاق و خیال کے اصحاب کی دلچسپی کا سامان مہیا کرنا (۷) نئے اصحاب کو علمی سیاسی تاریخی میدان میں لانا +

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی سات تاریخ کو شہر لاہور سے شائع ہوتا ہے (۲) سالانہ چندہ تین روپے ششماہی دو روپے۔ سرپرستی دس روپے مقرر ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۵ ر میں یا جاتا ہے مفت نہیں بھیجا جاتا (۳) ہر ایک خریدار صاحب کو علمی۔ تاریخی۔ سیاسی۔ صنعتی۔ تجارتی وغیرہ سوال کرنے کا حق حاصل ہے (۴) معمہ حل کرنے والوں کو بشرطیکہ وہ خریداری قبول کریں خاص انعامات دئے جاتے ہیں (۵) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانی چاہئے ورنہ بعد ازاں پرچہ قیمت پر دیا جائیگا (۶) خریدار صاحبان کو خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دینا چاہئے۔ (۷) فرمائش یا خط و کتابت ... نمبر خط او مفصل تحریر فرمائیں (۸) رسالہ انقلاب کی ضخامت ہر ماہ تقریباً ۸۰ صفحے ہوں گے (۹) ایسے مضامین جن کا تعلق کسی کی دل آزاری فرقہ واریات یا مذہبی حملہ سے ہو درج نہیں کئے جاتے۔

شرح نامہ اشتہارات

	ایک سال	چھ بار	سہ بار	ایک بار
سالم صفحہ	۵۰ر	۲۰ر	۱۵ر	سے ر
نصف صفحہ	۳۵ر	۱۸ر	۱۰ر	للعہ ر
چوتھائی صفحہ	۱۵ر	۹ر	۵ر	عہ ر

چوتھائی صفحہ سے کم کا اشتہار نہیں لیا جاتا۔ اجرت اشتہار ہر حالت میں پیشگی آنی لازمی ہے۔ فحش و خلاف تہذیب اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے ؛

تمام درخواستیں اس پتہ پر آئیں

مینیجر رسالہ انقلاب لاہور

جلد ۲ انقلاب بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء نمبر ۴

رنگین تصویر — بدہوش

نومبر کا پرچہ "[illegible] نمبر" کی صورت میں [illegible] قیمت فی پرچہ [illegible]
مگر سنے ویرانے خریداروں کو حسب معمول قیمت پر دیا جائیگا۔ منیجر

تعارف

بیاہ کروں یا نہ؟ یہ ایک دوشیزہ کی چہ میگوئیاں ہیں۔ جو امریکہ کی ایک مشہور شاعرہ "ویلر ولکاکس" کی ایک دلچسپ نظم کا ترجمہ ہے۔ جسے ہمارے کرم لالہ نرائن داس صاحب ملک نے بھیجا ہے۔ آپ ایک مشہور و معروف فرم کے مالک ہیں۔ جس کا کام کل ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی پھیلا ہوا ہے اگرچہ اس لحاظ سے آپ عدیم الفرصت ہیں۔ مگر پھر بھی انقلاب کی دلچسپیوں میں ایک خوشگوار اضافہ کرنے کے لئے وقت کی گنجائش پیدا کرلی ہے۔ جس کیلئے ہم ملک صاحب موصوف کے تہ دل سے ممنون ہیں۔

افکارِ پریشاں ابو المعانی اختر شیرانی الافغانی ایڈیٹر "بہارستان" لاہور کا نام نامی آج کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی مسلمہ انشا پردازی کے بہترین نمونے اور آپ اپنے اپنے موقعہ پر خاص لطف دینے والی نظمیں وغیرہ اکثر ممتاز جرائد میں باعث زینت ہوا کرتی ہیں۔ اور ناظرین کے دلوں کو صحت مذاق بلند پروازئ تخیل پختگئ ترکیب، لطافت بیاں اور شوخی ادا کا قایل کر چکی ہیں۔ افکار پریشاں سے پیشتر آپ کی ایک غزل "رشحاتِ اختر" کے عنوان سے پہلے پہلے نمبر میں درج ہو چکی ہے۔ اب یہ آپ کی قسط ثانی ہے۔ جو اس نمبر میں بعد شکریہ درج کی جاتی ہے۔

خفیہ مراسلت یہ مراسلت مغربی بنگال کے انقلاب پسندوں کی طرف سے ہے۔ جس کے سرغنے اوّل گھوش اور پولن مکرجی تھے۔ جو آخرکار پولیس کی گرفت میں آگئے۔ جس ڈاکہ کے سلسلہ میں یہ مراسلت بھیجی گئی تھی۔ وہ محض اسی مراسلت کے باعث ایک خاص درجہ امتیاز ہی رکھتا ہے۔ اس مراسلت کے نفس مضمون سے یہ بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔ کہ محب الوطن انقلاب پسندوں کی آرگنیزیشن کس قدر زبردست رہی۔ نیز یہاں ان کے دلوں میں مادر وطن کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کے لئے ان کی سر بکف قربانی قابلِ وصف تھی۔ وہاں اُن کا دیانتدارانہ طرزِ عمل بھی قابلِ تعریف رہا۔

تصویرِ انقلاب جناب راگھونندن لال صاحب جنجب وکیل دکن کے جدت طراز دماغ کے حسن تخیل کی ایک دلفریب تصویر ہے۔ فاضل صاحب مضمون کا یہ عجیب خیالی فوٹو ہے

جسکو سرتاپا دیکھنے سے ایک عجیب لطف محسوس ہوتا ہے۔ ہم اگست نمبر کے تمام معزز مضامین نگار اور شعرائے کرام کی بیجا قدر افزائی و اس اعتراف میں بصد خلوص شریک ہیں۔

جناب جذب سے توقع ہے۔ کہ وہ آئندہ بھی اس "انداز جدید" سے انقلاب کی ناچیز خدمات کی منصفانہ و بیجا دکالت کرتے رہیں گے۔

انکشافِ حقیقت — جناب محمد عبداللہ صاحب صفا حیدرآبادی تلمیذ حضرت داغ مرحوم کا یہ کلام ہمیں اپنے ایک دوست کی وساطت سے موصول ہوا ہے۔ یہ غزل جس حسن جس اثر اور جس معنوی رنگ میں لکھی گئی ہے۔ وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

سوشیلا — یہ کہانی سردار بھگت سنگھ صاحب پردیسی کی طرف سے خاص انقلاب کے لئے موصول ہوئی ہے۔ سردار صاحب کی کہانیاں اکثر اخبارات میں مقبولیت کی نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں۔ جو صاحب سرسری نظر سے بھی دیکھنے۔ انہیں سادگی بیاں ودراز کار اغراق و غلو روزمرہ۔ موثر و سلیس زبان کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

خطۂ زریں — لائل پور کے مشہور وکیل مہتہ تیغ سنگھ صاحب کچھ مدت سے ویدک مشنری کی حیثیت سے ملایا سٹیٹ تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے اس سٹیٹ کے تمام جزائر کی سیاحانہ دیکھ بھال کے بعد وہ تاثرات قلمبند کر کے ہمیں بھیجے ہیں۔ جو عہد ہنود کی تاریخی یادگاروں۔ دور حاضرہ کا تمدن۔ مقامی باشندوں کے اخلاقی حالات اور وہاں کے عبرت خیز مناظر سے آپ کے قلب و دماغ پر وارد ہوئے۔ امید ہے۔ یہ سلسلہ ناظرین کی لئے حد پسندیدگی اور خاص دلچسپی کا موجب ہوگا۔

بدعہدی کا انجام — سگائی کی رسم جسے ہندو شاستروں میں لوہے سے بھی زیادہ مضبوط زنجیر کہا گیا ہے۔ اور جسے صرف مانیجار موت کا ہاتھ ہی توڑ سکتا ہے۔ اسے ایک کچا دھاگا سمجھ کر اکثر کوتاہ اندیش وجہ بعہد ہندو آجکل آسانی سے توڑ رہے ہیں۔ ایسے قابل نفرت و ذلیل طرز عمل کی دردناک سرگذشت ڈاکٹر اے سائیں صاحب شاد بی۔ اے نے ہندو سوسائٹی کو توجہ دلانے کے لئے بھیجی ہے۔ امید ہے اس مقدس اور مضبوط رشتہ کو چٹکی میں توڑ دینے والے صاحب اس عبرت خیز افسانہ سے نیک سبق حاصل کریں گے۔

عالمن کا خواب — ذلیل و رسوائی کے ایک نہایت پر لطف مضمون کا دلفریب نقشہ جائنٹ ایڈیٹر صاحب کے قلم سے کرسمس نمبر میں بالخصوص عجیب قابل دید ہوگا۔
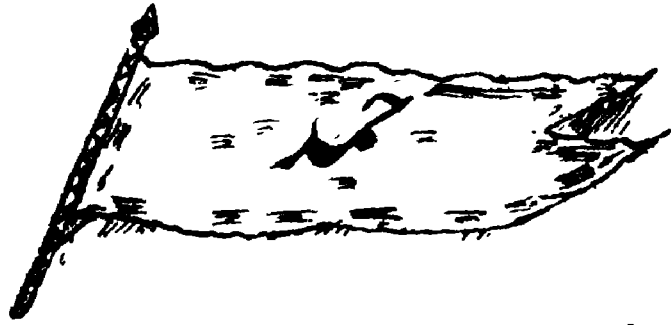
ہمارے قابلِ تعظیم بزرگ جناب دیوان موتی رام صاحب فرحت تحصیلدار کا دائرہ تحریر اگرچہ اسقدر وسیع نہیں تاہم آپ کا وجود مبارک ادبی دنیا کے لئے مایۂ ناز ہے۔ امرتسر کے رسالہ پیام ہستی پر جو شاید اب عالم نیستی میں ہے۔ آپکا نام نامی مدیرانِ اعزازی میں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی تھی۔ کہ دنیائے صحافت میں ایک اور قابل ترین ہستی کا اضافہ ہوا ہے آج ہماری خوش قسمتی ہے۔ کہ آپ کا فارسی کلام بلاغت نظام ناظرین انقلاب کے لئے باعث فرحت ہو رہا ہے۔ یہ حمد جن پاکیزہ جذبات اور جامع الاثری سے مملو ہے۔ وہ اس بات کی کھلی شہادت ہے۔ کہ آپ کارزار فارسی کے بھی کامیاب شہسوار ہیں۔ ؎

(ایڈیٹر)

زہے صانع کہ جاں ساز و عطا ترکیبِ انساں را — گناہ بخشد خطا پوشد نماید عفو عصیاں را

ضیائے شمع ہستی جلوہ افروز فروغ را — نماید غیرتِ وادیٔ ایمن ہر بیاباں را

ز تو آساں شود مشکل تو مشکل میکنی آساں — کہ سازی کارِ ما اے کارسازِ ساماں را

زر و گنج و درم بخشی بتو زیبد خداوندی — شہاں را بے نوا سازی غنی سازی غریباں را

ز تو ریحاں ز تو سنبل بہار از تو خزاں از تو — بساطِ لالہ و گل میدہی صحن گلستاں را

نسیم از تو صبا از تو سمن از تو چمن از تو — معطر میکنی از بو دماغ عندلیباں را

نمیرانی ز دستِ بندہ پرور دوست و دشمن را — کہ لطفِ فیض تو یکساں رسد گبر و مسلماں را

تو خود ساقی تو خود ساغر تو ہی خود بادہ عرفاں — تو بیمائے سرور در جامِ وحدت بادہ نوشاں را

مریضانِ محبت را کہ درماں غیب داند — اگر آید ز تو آید علاجِ دردِ ہجراں را

گہر ریزد نگاہِ ناز تو از قلزم احساں — کہ فیض شبنم رحمت نوازد ابر نیساں را

غزل گفتی و خوش گفتی مستو خاموش اے فرحت
کشاید لب بہ توصیفش چہ باشد تابِ انساں را

بیاہ کروں یا نہ؟

(ایک دوشیزہ کی چہ میگوئیاں)

اماں جان کہتی ہیں۔ بیٹا! جلدی نہ کر۔ شادی عموماً تفکرات ومحصلات سے وابستہ ہے۔

چچی جان کا قول ہے۔ کہ غلامی اور شادی میں کوئی فرق نہیں۔

ابا جان فرماتے ہیں۔ نہیں صبر ہے۔ آجکل دولہا کا کیا دام ہے؟

بہن بیچاری اپنے نواسے بچوں کو چھاتی سے لگائے ہوئے سرد آہ بھر کر کہتی ہے۔

شادی کیا ہوئی کہ غم و الم کا آغاز ہوا

دادی جان جو اپنی زندگی کے دن ختم کر چکی ہیں۔ فرماتی ہیں۔

ع
تو شادہ زمانہ کہ تھا دل کا شیوہ

نہ مایوس رہنا نہ مانوس رہنا

زبیدہ جو دو دفعہ بیوہ ہو چکی ہے۔ میری طرف نظر یاس سے دیکھ کر کہتی ہے۔

وائے برحال ما

واہ رے قسمت! میں تنہا جس کے عالم ہستی کے گلزار میں مرادوں کے پھول کھلنے والے ہیں۔ اور مجھے نصیحت کرنے والے نصف درجن وہ اشخاص ہو تجربہ کار، سرد و گرم زمانہ چشیدہ، دانش و فراست میں یکتا، آخر وہ اس راہ کی منزلوں سے واقف ہیں۔ تو بیاہ کرانے کے حق میں نہیں۔

میری آنکھ کے تارے آزاد! تم سے جب آنکھیں چار ہوتی ہیں۔ تو کیا دیکھتی ہوں۔ کہ محبت کی آگ جوالا مکھی کی طرح اپنا جوبن دکھا رہی ہے۔ اور ممکن نہیں۔ کہ اس کے اثر سے کوئی بچ سکے۔ اے میرے نصیحت کرنے والے بزرگو! میرا آزاد ان انسانوں میں سے نہیں۔ جو شادی کی کڑی منزل پر تھک کر ہار جائے۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔ کہ مجھے

آزاد سا محبت سے شرابور محبوب ملا ہے۔ اور حق بھی یوں ہے۔ کہ اسی کے لئے یہ دُنیا بہشت بریں ہے۔ جس کے نصیب میں ایسا محبوب لکھا ہو۔

سچ ہے۔ جس کا دورِ حیات میں محبت نہیں۔ اس کے لئے اس دُنیا کی سب نعمتیں ہیچ ہیں۔

اے میرے صلاح کار دا! جو کچھ تم کہتے ہو۔ سچ ہوگا۔ مگر میری دل کی نگاہ ہوسے کوئی میرے پیارے آزاد کو دیکھے۔ اگر مجھے اس دنیا میں جینا ہے تو میں بغیر آزاد کے ایک دم بھر بھی نہیں جی سکتی۔ اس لئے ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔ لہذا میں اپنی شادی کی تاریخ خود مقرر کرتی ہوں۔

(ویلرو نکاکس) ترجمہ (نرائن داس ملک کراچی)

نوائے ٹیگور

(۴۴) اے میرے مالک! میری حیات کو محض اتنا ہی رہنے دے جس سے میں تجھے اپنا کہہ سکوں!

میری منشا کو محض اتنا ہی رہنے دے۔ کہ جس سے میں تجھے اپنے چاروں طرف دیکھ سکوں۔ ہر چیز میں تجھے دیکھ سکوں ——— اور ہر لحظہ اپنی محبت اور عقیدت کے پھول تیرے قدموں میں پیش کر سکوں!

میرے جسم کا وہ حصہ رہنے دے کہ جسے میں آپ سے کبھی نہ چھپا سکوں!

اے میرے پران آدھار! مجھے باندھنے والی زنجیروں کا وہی حصہ رہنے دے۔ جو مجھے تیری مرضی سے ملحق رکھیں۔ جس سے تیرے مقاصد میری حیات کے ذریعہ پورے ہو سکیں۔ اور ایسی زنجیر ——— محبت کی زنجیر ——— ہے۔

(رابندر ناتھ ٹیگور) (گیتانجلی) (ثاقب)

افکارِ پریشاں*

دل، اب اس کی یاد میں تجھ کو نہ تڑپائیں گے ہم
بیوفا ہے، بیوفا کو بھول ہی جائیں گے ہم
اس طرح دامن بچا کر جانیوالوں کو نہ چھیڑ!
دیکھ او نادان دل! بدنام ہو جائیں گے ہم

ہائے کیسا تلخ تھا دردِ محبت کا مزہ
یہ سبق وہ ہے کہ جس کو پھر نہ دہرائیں گے ہم
زندگی کی جتنی امیدیں تھیں سب مرجھا گئیں
اب تو مایوسی یہ کہتی ہے کہ مر جائیں گے ہم

آسماں! او آسماں! کمبخت کچھ تو ہی بتا!
کب تک اپنے بھولنے والے کو یاد آئیں گے ہم
اب گئے تو مستیٔ ذوقِ تصور کے لئے
ان کی کچھ بہکی ہوئی نظریں چرا لائیں گے ہم

کوچۂ جاناں سے اب اتنا تعلق ہے فقط
جب ادھر آئینگے ہم، قسمت کو رو جائیں گے ہم
دل کو، اس نادان دل کو، کچھ تو صبر آجائیگا
جھوٹ سچ، اتنا ہی کہہ دو، اب نہ ترسائیں گے ہم

پھول چن، دل کھول کر، عیش و طرب کے پھول چن
اس چمن میں بار بار، اے دل نہیں آئینگے ہم
شوق ہے بر سول سے احسنؔ کی زیارت کا ہمیں
اب ارادہ ہے کہ اخترؔ لکھنؤ جائیں گے ہم

اختر

* لسان الاسرار" حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب احسنؔ لکھنوی (مشہور ڈرامہ نویس) سے مراد ہے۔

انقلاب لاہور — اکتوبر ۱۹۲۶ء

تجلیٔ لن ترانی نے انفضائے وادیٔ ایمن میں اپنی ملاحت و صباحت پاش عشوہ طرازیوں سے
تنگنائے عالم محبت کی دلگداز شاہراہ میں شورِ مسرت آگیں بلند کیا!
اور ابن عمران کی حسرت آلود و یاس فزا چشم ندامت آمیز کا کوئی نظارہ الم انگیز کیفیت
نا ملاحظہ کرتا!
ہر ذرۂ خاک ایک محشرستان پریشان کن جمعیت خاطر ہے، سکوت ذلت گر گیسے ہجر کی کتاب پراگندہ
یاد آئی، جس کی ہر سطر دمِ شمشیر سے زیادہ خون آشام درد کش سطر شفق بنی لہ
ہنوز صفحۂ ہستی میں اُن حسیات کا ملکی روانی سحر باقی ہے، جس خمخانۂ جاوید کی راحت فزا دل
آویزیوں کا نور سحر ہم آہنگ و عکس پیمائے تنویرات لم یزل ہے!
جلوہ پیمائے راحت عرصۂ حقیقت غلبۂ اندیشۂ صبر شکن و ہوش ربا سے متاصل و ہم آغوش
افکار و نیرنگیٔ تخیلات حوادث پذیر کا گہوارہ بنا ہوا ہے!

(۲)

کاہش محبت نے دل کے پرخچے اڑا دیئے لیکن ہنگام مساعدت نہ یارائے موافقت، جس نے دیکھا تغافل کیش کے عالم
تجاہل پر کافی رد و قدح کی، لیکن انہیں اپنی سرخوشِ انفعال انگیز گرانجانی سے بہت لطافت خیز محبت ہے،
آوارگانِ کوئے ملامت و حلقہ نشینان کوچۂ مودت جہاں تھے وہیں رہے، نخوت پندار نے اجازت نہ دی۔
کہ رندان خرابات کی بادہ نوشی سے بہرہ اندوز ہوتے یا خمار آلودۂ بادۂ وحدت کی خلجان کشش کا نخچیر بن جاتے، برگشتہ
بختی کہیئے۔ کہ اعتزال پسندی نے ان کے کنج خموشی میں بھی آسائش و تن آسانی کا موقع نہیں دیا، ناچار زاویہ
حرم سے نکل کر خمخانۂ عشق و مستی میں در آئے، مئے آشامانِ الست بربکم کی صدائے قالوبلیٰ سنتے ہی
بلا چون و چرا پیرِ مغاں کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، جس کی وجہ انہیں سرورِ ابدی و لذتِ جاوید
نصیب ہوئی۔

نامی کوہ سوار

جدید شاعری کا اوّلین مشاعرہ

(از خامہ علامۂ دہر امیر الشعرا جناب کیفی صاحب دہلوی مدظلہٗ)

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵ ماہ ستمبر ۱۹۲۶ء

بقیہ نظم مولوی محمد حسین صاحب آزاد

بس کر اے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی　　مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی
دیکھ کاغذ ورق ہاتھ میں تھراتا ہے　　اور قلم ہاتھ سے تھرا کے گرا جاتا ہے
مارے سردی کے ہے سر اپنا جھکائے بیٹا　　منہ ہے کاغذ کی رضائی میں چھپائے لیٹا
میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا　　تیرے آزاد کو جاڑے سے پڑا ہے پالا
آرزو کچھ نہیں دنیا کی رہی ہے دل میں　　اب تمنّا جو ہے باقی یہی ہے دل میں

طپش عشق سے دل رہے میرا زم سدا
گرمیٔ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

۵۔ مثنوی مولوی محمد مقرب علی صاحب زائرؔ رئیس جگراؤں (ضلع لدھیانہ)

کس جوش سے آئی فصلِ سرما　　عالم پہ خزاں ہے کارفرما
سنسان چمن پڑا ہوا ہے　　گلشن بے برگ و بے نوا ہے
جوبن پہ ہے اب نگارِ سرما　　ہستی کی خزاں بہارِ سرما
کیسی بادِ خزاں چلی ہے　　جس سے بلبل کو بے کلی ہے
بے برگ ہوئے تمام اشجار　　گلشن نظروں میں ہو گئے خار
اشجار سے برگ جھڑ گئے ہیں　　لالے جانوں کے پڑ گئے ہیں
مژدہ مستوں کو لائی سردی　　برسات گئی اور آئی سردی
سردی کا ہوا ہے گرم بازار　　ہر شخص ہے آگ کا خریدار

جس کو دیکھو وہ کانپتا ہے
لرزا سا ہر ایک کو چڑھ رہا ہے

اس درجہ ہوئی ہے شدتِ برد
آتشکدے ہو گئے ہیں سب سرد

گھٹتا ہر وقت گو لہو ہے
دن رات پر آگ روبرو ہے

ہیں بن گئے آگ تاپنے سے
آتشکدے گھر موبدوں کے

سردی سے جو آفتاب کانپا
منہ پردۂ ابر میں ہے ڈھانپا

شمس الدولہ کا اب پتا کیا
ہے عہد یہ زمہریر خاں کا

گرمی میں تمام روز اور شب
مچھلی کی طرح تڑپتے تھے سب

کپڑے تن پر وبال جاں تھے
اس طرح کے لطف جب کہاں تھے

گرمی کے سوا نہ کھاتے تھے ہم
تکلیف بہت اٹھاتے تھے ہم

پانی بھی نہ سرد تھا میسر
پھر ہوتے طعام ہضم کیونکر

اب ملنے لگا وہ سرد پانی
جس سے کہ ہے لطفِ زندگانی

کس درجہ لطیف اب ہوا ہے
کھانے کا انہیں دنوں مزا ہے

معدہ ہے ہمارا یا بلا نوش
فوراً ہوا ہضم جو کیا نوش

ہاں ان کا ہوا ہے حال پتلا
جن کو نہ ملا دبیز کپڑا

ہے قابلِ رحم ان کا احوال
سردی نے کیا ہے جنکو پامال

روشن ہوا آفتاب جس دم
گو دھوپ میں بیٹھتے ہیں باہم

ہے دھوپ میں اب کہاں وہ حدت
جاڑے کی جو ان دنوں ہے شدت

عریانی تن جو زیبِ تن ہے
سخت اور سیاہ سب بدن ہے

سردی سے جو لوگ مر رہے ہیں
ٹھنڈی آہیں وہ بھر رہے ہیں

ان کا بھی خیال ہے ضروری
تا نعمتِ حق سے ہو نہ دوری

شک اس میں نہیں کہ شکر واجب
عقلاً ہر شخص پر ہے واجب

نعمت جو ملے تو شکر کیجے
اور اس میں سے راہِ حق میں دیجے

بیکس کو نہ مال دار بھولے
تا اس کو نہ کردگار بھولے

کب شکر ہے شین و کاف اور رے — بیٹھے بیٹھے زبان سے کہہ دے
ہے شکر کہ ہاتھ بھی ہلائے — محتاج کے دکھ میں کام آئے
ثمرہ ہے شکر کا سخاوت — گر ہووے نہ یہ تو ہے قباحت
آرام لباس سے جو پائے — رحمت مسکین کی یاد آئے

زاہد تری طبع گو رسا تھی
پر مشق نہ نظم کی ذرا تھی

۴ یہ مثنوی مولوی محمد جان صاحب مولوی مدرس فیروز پور جھرکہ

اے شہ آسماں خفا کیوں ہے — تخت گیتی سے اب جدا کیوں ہے
خسروے تاج کیوں نہیں سر پر — کاویانی علم نہیں در پر
کیوں لباس شہی اتارا ہے — کسلیئے برنج غم میں بیٹھا ہے
تو نے کیوں اختیار کی عزلت — کیوں گوارا جہاں پہ کی آفت
کھلبلی سی پڑی ہے عالم میں — اہل عالم پڑے ہیں سب غم میں
مملکت کو سنا جو بے سلطان — ہائے نکلا غنیم کا ارمان
کوکبہ کش ہوا غنیم ابر — عرصہ دہر پر مچایا حشر
دل پہ دل بادلوں کے آتے ہیں — ملک پامال ہوتے جاتے ہیں+
کب یہ بادل گرجتے جاتے ہیں — جنگ کے باجے بجتے جاتے ہیں
یہ مخالف کی فوج کا ہے زور — کہ زمیں سے ہے آسماں تک شور
پیشرو وہ اسوار کا لشکر — جیسے دیکھو ہوا کے گھوڑے پر
قلب میں وہ پیادہ کی اک فوج — جیسے دریا میں آب مارے موج
رعد کا توپخانہ وہ ہمراہ — شور محشر بھی جس سے مانگے پناہ
ہر سپاہی کے پاس وہ تلوار — صاعقہ کہیئے یا خدا کی مار
تیر باراں ہو جس طرف وہ جیش — جان لو ہے ادھر خدا کا طیش
جس بیاباں میں یہ ڈٹتا ہے — دشت کو بجر کر کے ہٹتا ہے

جب یہ لشکر کہیں ٹھہرتا ہے
جب کوئی شہر یہ کرے محصور
سہم جاتے ہیں تیر باراں سے
واں تو اڑتی ہے بجلی کی رنجک
رعد کی توپ جبکہ چلتی ہے
ہر کوئی گھر میں یوں حصاری ہو
بند ہو پھر رسد تو غم کھائیں
آب کے نام آبِ اشکِ پاک
اس مصیبت میں ہی رہیں صابر
بیٹھنے کا بھی جب نہ ہو آرام
رحم گر کرے کوئی یگانہ یار
ڈرتے بچتے وہاں سے گھر آئیں
چارپائی اٹھا دھریں سر پر
ایک دو مرتبہ یونہی ڈھوئیں
بال بچوں کو ساتھ پھرے کر
گرِ کے باقی رہیں جو چند مکاں
مرد و زن طفل سے بھریں یوں گھر
پھر وہ گرمی کا زور گھر گھمسا ہو
کوئی گھر سے کرے سفر کو عدیل
جائے تنگ است و مرد ماں بسیار
ہر جگہ پھر ہجوم خلقت سے
کچھ تو ہووے حرارت ابدان
اعتدالِ ہوا بگڑ جائے

شہر کے شہر دشت کرتا ہے
تو وہاں سے ہوا من کوسوں دور
لوگ رہتے ہیں وہاں کے بچاں ہے
ڈر کے بیدم ہیں یہاں زن و کودک
تو زمیں شہر کی ڈھلتی ہے
کہ قدم تک اٹھانا بھاری ہو
آب و دانہ کو بھی ترس جائیں
دانہ کی جائے گھر کی پھانکیں خاک
صدمے پاکر مکان جائیں گر
تو گلی کوچوں میں پھریں ناکام
کرلے گز بھر جگہ کا گر اقرار
یہاں سے اسباب اٹھا کے لیجائیں
اس پہ کچھ بار ہووے اور بستر
بیکسی سے مگر بہت روئیں
سب کو بٹھلائیں تنگ ایک ایک پر
ان میں تِل تک سمائے کیا امکاں
جیسے صندوق میں متاع و زر
کہ غریبوں کا دم لبوں پر ہو
کوئی یہ شعر گھر کی دے تمثیل ؟
وقنا ربنا عذاب النار
احتباس ہوا ہو شدت سے
کچھ نجاست سے ہوں غلیظ مکاں
چاہ و چشموں میں آب سڑ جائے

بدغذا ہی کا اس پہ ہو طرّہ
جوشِ صفرا ہو کچھ رطوبت ہو
گھٹتے بڑھتے وبا کا ہو پھر زور
چھوڑو سے جس کی جان برق و ابر
نہ معالج کوئی ہوتی ہو دوا
کوئی یرقان میں مبتلا ہوگا
کوئی ہیضہ میں ناتواں ہوگا
کسی کو ہو تشنجِ اعضا
آنکھیں کسی کی گڑ جائیں
کوئی بیدم پڑا سسکتا ہو
کوئی شنکل سے سانس لیتا ہو
کوئی بیٹھا سرہانے روتا ہو
شہر آخر تمام ویراں ہو
شہر و شہری خراب ہوں یکسر
فکر کر اب بھی اے شہِ گیتی
شہ انجم سے حکم دے یوں
ناگہاں فوج سے کے جنگ کرے
ترکِ گردوں غضب سے ہو کر لال
ہندوے چرخ اپنی پھینک کمند
ماہ قوسِ فلک کو زہ کر کے
حملہ سردارِ فوج کر کے فگار
تیر لگتے ہی وہ گریزاں ہو
شہِ لشکر ہی جب فراری ہو

خوف سے سب کا آب ہو زہرہ
معدوں میں ایک درد یہ علت ہو
غم و ماتم سے شہر ہو پر شور
وہ وبا کی ہو عاقبت کو نذر
آسرا سب کو ہو خدا ہی کا
کوئی بحراں میں بہک رہا ہوگا
سوز معدہ سے نیم جاں ہوگا
تشنگی سے کوئی ہو گھبرانا
دانت کالے کسی کے پڑ جائیں
کوئی ایک ایک کے منہ کو تکتا ہو
کوئی وحشت سے جان دیتا ہو
کوئی نالوں سے ہوش کھوتا ہو
نہ تو حیواں ہو اور نہ انساں ہو
یونہی غفلت سے ہو جہاں ابتر
رہ جہاں سے نہ اتنا مستغنی
کہ کرے وہ غنیم پر شبخون
لشکرِ مدعی کو تنگ کرے
لشکرِ مفسداں کرے پامال
سر و گردن میں ڈال دبوے بند
تیر خود تاک تاک کر مارے
شاہ اعدا پہ بھی کرے اک وار
پھر تو فوجِ عدو پریشاں ہو
تو کہو کس کو جان بھاری ہو

ایک پر ایک گر کے مرجائے　　اضطراب اپنا کام کرجائے
کوئی غصہ ہو کوئی بیجاں ہو　　صبح تک خوب صاف میداں ہو
کوئی اتنے میں دے یہ آکے خبر　　کہ مبارک حضور کو ہو ظفر
پھر شہنشاہ مژدہ یہ سن کر　　تاج زرینہ کرکے زینت سر
فیل چارم فلک پہ ہوکے سوار　　جلوہ افگن جہاں پہ ہو اک بار
کروفر سے نبرد گہ پہنچے　　مہ کو عزت کے ساتھ رخصت دے
اور خاصہ سپہ کو دے فرمان　　کہ ہوا اب سے ہے حکومت راں

بافقیدارد

خفیہ مراسلت

یہ وہ سنسنی خیز واہم مراسلت ہے جو کلکتہ اور اس کے مضافات میں سنہ ۱۶ کی پولیٹکل ڈکیتیوں کے سلسلہ میں انقلاب پسندوں نے ڈاکہ زدہ مکان کے مالک کے نام بھیجی تھی۔ اسمیں ۵/۱/۹۸۹۱ کے پہنچنے کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ سپر انقلاب انگیز پارٹی کی خاص مہر ثبت تھی۔ امید ہے۔ ناظرین کرام اس چٹھی کے نفس مضمون سے محب الوطن نوجوانوں کی اصل سپرٹ کا بخوبی اندازہ لگا سکیں گے۔

(ف۔ن)

نمبر ۲۲۵۰

بندے ماترم

متحدہ ہند کی آزاد حکومت

بنگال

جناب من

ہم نہایت ادب اور عاجزی سے یہ بات کہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے صیغہ مال کے چھ آنریری افسران نے آپ سے ۵/۱/۹۸۹۱ کی رقم جو قرض کے طور پہلی

ہے۔ وہ ہم نے اپنی کیش بک میں آپ کے نام پر پانچ فیصدی سالانہ سود کے حساب سے محسوب کرنی ہے۔ ہرما تا تی دیا ہے اگر ہمیں کامیابی ہوئی۔ تو کسی نہ کسی روز یہ تمام رقم معہ سود آپکو واپس کر دیجائیگی۔ آپ نے جس لطف وکرم سے ہمارے افسران مذکورہ کیسا تھ یہ سلوک کیا ہے۔ اس کی امید آپ ایسے تمول آدمیوں سے ہی ہو سکتی تھی۔ ہمیں توقع ہے۔ کہ ہمارے افسران نے بھی آپ سے حتے المقدور اسی قسم کا سلوک کیا ہوگا۔ ہمارے احکام کی تعمیل میں انہوں نے وہ زیورات اپنے قبضہ میں نہیں کئے۔ جو آپکے پاس بطور رہن موجود تھے۔ اتفاق سے ایک بندا اور ایک سدولی (زیور) ہمارے پاس آگئے ہیں۔ جو کل (۱۳ اراساڑھ) کی میٹنگ کے ریزولیوشن کے مطابق آج کی تاریخ سے ۱۵ دن کے اندر اندر واپس کئے جائینگے اگر اسبات کی خبر خود غرض پولیس کو ہوئی۔ تو وہ خود یہہ زیور ہضم کر لیگی۔

جناب من۔ اگر آپ قولاً فعلاً یا کسی اور طریقہ سے ہمارے کسی آدمی کو محض شک کی بنا پر حوالہ پولیس کریں گے۔ تو واضح ہو۔ کہ ہم ہرگز اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ اور آپکے خاندان میں سے کسی ایک شخص کو نہ چھوڑیں گے۔ جو آپ کی کثیر دولت کا لطف اٹھا سکے۔

آپ اس بات سے ہرگز ناواقف نہ ہونگے۔ کہ پولیس کے افسران ہمارے اس متبرک مقصد کی راہ میں ایک روڑہ ہیں۔ اسیئے متحدہ ہندوستان کی آزاد حکومت نے انکو عبرتناک سزائیں دینے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ اور اجنبی برٹش حکومت انتہائی نگرانی کے باوجود ان کی محافظت کے آجتک ناقابل رہی۔ اسی لئے آپ کو قبل از وقت تنبیہہ کی جاتی ہے۔ کہ آپ کبھی ایسی حرکت کے مرتکب نہ ہوں۔ جس سے دل آزردہ ہوکر ہمیں بھارت ماتا کی پوتر بھومی پر ہم وطنوں کا خون بہانا پڑے۔

آپ سا سنجیدہ ومتین شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اجنبیوں کی حکومت کو ہندوستان سے خارج کرانے کے لئے ارباب وطن کی سرگرمی۔ سخاوت اور اکس کی ضرورت ہے۔ اگر اس دیش کے سرمایہ دار آدمی ہمارے کام کی اہمیت محسوس کریں۔ اور ماہانہ یا سہ ماہی وششماہی چندوں کی طفیل سناتن دہرم کے قدیم فرتریں اغراض کو زندہ کرنے میں ہماری معاونت کریں۔ تو ہمیں آپ ایسے آدمیوں کو شکار مصیبت کرنیکی ہرگز ضرورت

نہیں۔ اگر آپ (خدانخواستہ) ہماری تجویز منظور نہ کریں گے۔ تو ہمیں مجبوراً ایسے [illegible] سے روپیہ جمع کرنا پڑیگا۔

مہربان! کیا آپ ہمارے لئے کچھ روپیہ خرچ کرنے سے گریز کریں گے جبکہ ہم نے ولایت کے شتریوں کی مانند حب وطن کا اسمِ اعظم سیکھ کر بھارت ماتا کو اجنبی حکومت سے آزاد کرنے کا کٹھن برت لے لیا ہے۔

جاپان کی عظمت اور ترقی کا بھید بھی اسکے باثروت اصحاب کی قربانی اور فیاضی ملی ہے ہماری پرارتھنا ہے۔ کہ پرماتما ہمارے بھائیوں کو ویسا ہی مضبوط دل اور اس دل میں طاقت دے

کلکتہ ۱۴/ اساڑھ دستخط: ۔ ہے بالا منتا۔ مالی سیکرٹری شاخ بنگال
متحدہ ہندوستان کی آزاد حکومت کی شاخ بنگال۔

(بقیہ معجز بیانی)

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷ ماہ ستمبر ۱۹۲۶ء

ہے نازیبا زباں کی بد کلامی — بنے ہیں لب پئے شیریں کلامی
زباں ٹیڑھی ہے یا میٹھی چھری ہے — بُری۔ بالکل بُری بے حد بُری ہے
زباں جو سخت گوئی میں ہے بیباک — ہے دو انگل کا چھڑا منہہ میں ناپاک
ہے شیرینی بھری جس کے سخن میں — زباں وہ فی الحقیقت ہے دہن میں
زباں بہر کلام دل نشیں ہے — فقط لذت شناسی کو نہیں ہے
اگر لذت شناسی ہی کا ہے دھیان — نہیں کم پھر کسی انساں سے حیواں
فقط فضلِ خداوندِ زمن سے — ہے انساں ہی بشر فیضِ سخن سے

سخن جب جوہر خاص بشر ہے — تو اس کی قدر لازم عمر بھر ہے
کہے لب سے سخن شیریں ہمیشہ — بنائے راستی کو اپنا پیشہ
نہ منہ سے جھوٹ نکلے دھیان رکھے — دم تقریر ٹھیک اوسان رکھے
جو کوئی آدمی سچ بولتا ہے — سخن کو موتیوں میں تولتا ہے
نہیں سچ کے صواب و حسن کی جانچ — مثل سچ ہے۔ نہیں ہے سانچ کو آنچ
زباں ہرگز نہ ہو چغلی کی خوگر — ہے زخم معایب کی رفوگر
رہے طرز بیان غیبت سے خالی — نہ کتے کو بھی جھڑکے دے کے گالی
نہ دے دخل اور لوگوں کے سخن میں — نہ معترض سخن ہو انجمن میں
سخن تکیہ کی عادت سے رہے دور — خموشی کو کرے موقع پہ منظور
کہے جو بات موتی کی لڑی ہو — نہ ایسی بات نکلے جو کڑی ہو
نظر تہذیب پر دن رات رکھے — سخن سنجوں میں بالا بات رکھے
جو نکلے اس سے میٹھا بول نکلے — نہ بات الٹی۔ نہ فقرہ گول نکلے
ذہن رکتا ہے طول بیاں سے — نہ اگلے زہر باتوں میں زباں سے
غرض دلکش ہو جو کچھ گفتگو ہو — نہ لب وقت تکلم ترش رو ہو
فصاحت یوں ہو ظاہر ہر بیاں سے — کہیں سب۔ پھول جھڑتے ہیں زباں سے
بشر جب بات کرتا بولتا ہے — سخن عیب و ہنر سب کھولتا ہے
نہیں تقریر اسے آئینہ سمجھو — نمایاں ساز حال سینہ سمجھو
بگانے سے لڑائی۔ غیر سے میل — سخن ہی کے ہیں۔ باتیں نافہ کا کھیل
ہے پورا اختیار۔ اس پر بشر کا — یہی ہے ایک آلہ خیر و شر کا
اسی سے چاہے کرلے بدنامی — اسی سے چاہے کرلے نیک نامی
ہر اک بات ان کی ہوتی ہے دل آویز — لب تقریر رہتا ہے شکر ریز
کہ دو وہ کام تم مطلب زباں سے — کہ دنیا خوش رہے حسن بیاں سے

زباں میں گر نہیں خوبی گفتار
تو چمڑے کا ہے لٹکا منہ میں بیکار

موہن لال مطلب

"دن گذر گیا"

دن گذر گیا۔ چاروں طرف رات کی تاریکی اسی طرح آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے جس طرح ایک اڑتے ہوئے عقاب کا پر زمین پر گرتا چلا آتا ہے۔

بارش اور کہر کے درمیان مجھے گاؤں کے چراغ چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ اور مجھ پر اُداسی اسقدر غالب آچکی ہے۔ کہ میری روح برداشت نہیں کر سکتی

مگر اس اداسی اور حسرت کا احساس ہرگز تکلیف دہ نہیں۔ غم اور اس کے احساس کے درمیان صرف اسی قدر مشابہت ہے۔ جس قدر بارش اور کہر کے مابین۔

آؤ! مجھے کوئی ایسی نظم یا کوئی ایسا سادہ اور دلکش نغمہ سناؤ جس سے یہ پریشان کن احساس دور اور میرے دل سے دن بھر کے تفکرات محو ہو جائیں۔

لیکن مجھے ان اساتذہ یا مسلمہ روزگار شعرا کی کوئی نظم جن کے قدموں کی آواز وقت (زندگی) کی دور دراز گذرگاہوں میں گونجتی ہے۔ نہ سناؤ۔

کیونکہ ان کی بلند پروازیاں میدانِ جنگ کے مہیب نغموں کی طرح (طبیعت کو) لاانتہا محنت و مشقت کی جانب راغب کر دیتے ہیں۔ مگر میں آج کی رات (مکمل) آرام کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے کسی سادہ گو شاعر کی نظم سناؤ۔ جس کے دل سے اشعار خود نکلے ہوں۔

جس طرح ابرِ بہار سے ہلکی ہلکی بوندیاں یا چشم یتیم سے آنسو۔

وہاں اس شاعر کی نظم، جس کی روح مشقت کے طویل دنوں اور پُر اضطراب راتوں

کے دوران میں بھی خوش آہنگ نغموں سے محفوظ ہو سکتی ہے۔

(درحقیقت) ایسے ہی نغمے نبض کی اس حرارت کو جو پریشان کن تفکرات کے باعث پیدا ہوئی ہو۔ دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور (مضطرب قلوب پر) اسی طرح وارد ہوتے ہیں۔ جس طرح دعا کے بعد برکت۔

پس کسی قیمتی (حفاظت سے رکھی ہوئی) کتاب میں سے کوئی کیف پرور نظم سناؤ اور شاعر کے اشعار کو اپنی خوش الحانی سے (اور بھی) زیادہ خوش نوا بنا دو۔

ہاں! پھر آج کی رات (رنگین اشعار) نغموں سے معمور ہو جائے۔ اور دن بھر کے جمع شدہ تفکرات خانہ بدوش عرب کی طرح خاموشی سے اپنے خیمے اٹھا کر چل دیں۔

(لانگ فیلو)

(اخگر فیروز پوری)

رنج و محن کا گھر ہے عشرت فزا ہے دُنیا
رہنے کی جا نہیں ہے مہماں سرا ہے دُنیا

دو دن کی زندگی پر کیوں جان دے رہا ہے
باقی نہیں رہیگی دارِ فنا ہے دُنیا

آلودہ نیش سے ہے ہر نوش اس کا ہمدم
تجھ کو خبر نہیں ہے کر و دغا ہے دُنیا

جس کی یہ ہو رہیگی اس کو فنا کریگی
کیا پوچھتا ہے مجھ سے اک بیوفا ہے دُنیا

شاہوں کے تاج چھینے راجوں کے راج لوٹے
غارتگرِ جہاں ہے اور پرجفا ہے دُنیا

کیا اس پہ بھول بیٹھیں بے مہر و بیوفا ہے
میں کیا کہوں کہ کیا ہے خاصی بلا ہے دُنیا

آرام اسکا غم ہے تکلیف اس کی راحت
آلام کی جگہ ہے کلفت فزا ہے دُنیا

کیا سبز باغ اس نے دکھلائے عاشقوں کو
بیکار ہے عبث ہے دھوکے کی جا ہے دُنیا

جو جانتے تھے ہر دم یہ ساتھ دے گی اپنا
کہنے لگے وہ آخر پُر از دغا ہے دُنیا

سمجھا ہے ترا بیڑا ساحل پہ جا لگے گا ... ورطہ میں جو ڈبو دے وہ ناخدا ہے دُنیا
کیا اس کی دوستی پر اب کوئی شادماں ہو ... اک مارِ آستیں ہے دشمن ادا ہے دُنیا

نامیؔ نہ دام میں آ اس بے وفا کے ہرگز
یہ جو فروش گویا گندم نما ہے دُنیا

نامیؔ کوہ سوار

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

فریبِ لندن

مہندر لال باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی پرورش نہایت ناز و نعم سے ہوئی تھی۔ مگر بیچارے کو خدا نے حسن کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔ اس کے والد کا نام گنگا رام اور سکونت میرٹھ کی تھی۔ یہ ماں باپ کی آنکھ کا تارا تھا۔ اور اسے کسی چیز کی ہرگز کمی نہ تھی۔ اس کی کوئی درخواست ایسی نہ تھی۔ جو کبھی رد ہوئی۔ اس کے والدین ہر ہمیشہ اس کی نازبرداری میں مصروف رہتے۔ اور اس کا رونا ذرا بھی گوارا نہ کرتے۔

مہندر کے رنگ سے کوّے اور گھروں کے توے بھی شرمندہ تھے۔ سر پر موٹے موٹے بڑے بڑے اور کرخت گھونگر والے بال اسے ہو بہو حبشی ظاہر کر رہے تھے اس پر پانچ برس کی عمر میں چیچک کا حملہ ہوا تھا۔ جو جاتے جاتے اس کی آنکھ میں پھپھولے کی مستقل یادگار چھوڑ گئی تھی۔

یہ لڑکا اکلوتا ہونے کی وجہ سے اوّل درجہ کا ضدی اور ہٹیلا تھا۔ کھانے پینے۔ نہانے دھونے۔ صاف ستھرا رہنے اور بال کٹوانے کے معاملات میں اس کی ضدیں نو فیصدی کا دخل رہتا تھا۔

چھ چھ مہینے تک پانی جسم نہ دیکھ پاتا تھا۔ اور یہی سال سال تک سر کے بال استرے کی صورت دیکھتے تھے۔

چھ سال کی عمر میں یہ اسکول میں داخل کیا گیا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ پڑھنے سے ہرگز جی نہ چراتا تھا۔ صبح اٹھتے ہی کھائے نہائے بغیر بستہ اٹھا کر اسکول بھاگ جاتا۔ اور لکھنے پڑھنے میں پوری دلچسپی لیتا۔ اگرچہ بدقسمتی سے اسے ذہانت نصیب نہ تھی۔ مگر کسی چیز کو حفظ کر لینا اس کے لئے مشکل نہ تھا۔ اس کی حفظ کی پریکٹس یہاں تک بڑھی ہوئی تھی۔ کہ کتاب کی کتاب طوطے کی طرح سنا سکتا تھا۔ ہر سال اپنے امتحان میں پاس ہو جاتا رہا۔ اور پندرہ برس کی عمر میں انٹرنس پاس کر لیا۔

لالہ گنگا رام چاہتا تھا۔ کہ مہندر بی۔ اے پاس کر لے۔ اور میں اسے آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان کے لئے ولایت بھیجوں۔ اور اس کی شادی بھی کسی میم صاحبہ سے کراؤں مگر اس لڑکے کی ماں اپنے شوہر سے ہر وقت لڑتی جھگڑتی۔ کہ کیا مہندر کو ولایت بھیج کر اس کا مذاق اڑواؤ گے۔ جسے نہانے اور بال کٹوانے کا شعور تک بھی نہیں۔ اور نہ ہی صاف ستھرے کپڑے پہننے کی تمیز ہے۔

لالہ صاحب کہتے —— نادان! شیروں کے منہ بھی بھلا کبھی کسی نے دھوئے ہیں۔ کیا مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک آنکھ غیر آباد نہ تھی۔ کیا پرماتما نے اسے عظمت و جلال عطا نہیں کیا تھا کیونکہ آدمی کے ارادے ہمیشہ بلند اور مضبوط ہونے چاہئیں۔

مہندر کو کالج میں پڑھنے کے لئے دہلی بھیج دیا گیا۔ اور اس نے ایف۔ اے کی تعلیم شروع کر دی۔ اسی اثناء میں میرٹھ میں پلیگ نے اپنا کیمپ جما لیا۔ مہندر کا باپ اور ماں اس موذی مرض کے چنگل میں آ کر ہمیشہ کے لئے اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ اور یہ بیچارہ یکہ و تنہا رہ گیا۔ اور ان کی جدائی میں چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ اس کے والد مرحوم کا بیس ہزار روپیہ ایک بنک میں جمع تھا۔ اور ایک مکان اس کی رہائش کے لئے وراثت میں چھوڑ مرے تھے۔ مہندر کا چچا بیوی بچوں سمیت اسی گھر میں آ رہا۔ تاکہ مہندر جب چھٹیوں پر دہلی سے میرٹھ آئے۔ تو اسے اپنے گھر کا دروازہ کھلا ملے۔ ظاہر داری میں تو یہ لوگ یہی کہا کرتے۔ کہ مہندر ابھی نادان اور طفلِ مکتب ہے ذرا ہوش سنبھال لے۔ اور بلوغت تک پہنچ لے۔ اس وقت تک اس کی امداد اور

پرورش پرداخت کرنا ہمارا فرض ہے۔ مگر باطنی طور پر ان کے دانت اس کی دولت پر
تھے۔ کہ کسی نہ کسی سبیل سے اس پر قبضہ جما لیا جائے۔
مہندر حبیب چھٹیوں پر میرٹھ آتا۔ تو چند دنوں میں ہی اپنے چچا اور چچی کی بدسلوکی سے
تنگ آ جاتا۔ اس کے چچیرے بھائی تو بڑے بدمعاش اور منہ پھٹ تھے۔ کبھی تو اس کی
تھالی میں تھوک دیتے۔ اور کبھی اپنے گندے ہاتھ اس کے کپڑوں سے پونچھ لیتے۔ —
اکثر اوقات بری بری گالیوں سے بھی خاطر و مدارت کر چھوڑتے۔ اس کے چچا اور چچی بھی
بجائے اس کے کہ اپنے محبت کے جال میں اسے پھنسا کر لوٹ کھسوٹ لیتے۔ جیسا کہ
یورپ میں لوگ لوٹا کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے ہندوستانی سرشت کے مطابق بجائے قابو
کرنے کے اسے متنفر کر دیا۔ اب مہندر نے تنگ آ کر دہلی میں ہی چھٹیاں گذارنا منظور
کیا۔ اور ان کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہ رہا۔
چار یا پانچ سال گذرنے پر اس نے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا۔ اور اب یہ بالغ
ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے باپ کا کل روپیہ بنک سے نکلوا کر پاسپورٹ بنوا لیا۔
اور ولایت آ دھمکا۔ اس وقت اس کا حلیہ یہ تھا۔ کہ ہاتھ پاؤں کے ناخن آدھ آدھ اینچ
بڑھے ہوئے تھے۔ گردن اور بدن پر اونگل اونگل میل چڑھی تھی۔ لمبے لمبے گھونگروالے
بال دونوں شانوں پر وحشیوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ جسے دیکھ کر بے ساختہ منہ
سے نکلتا تھا کہ ع سر خرس سا منہ خوک سا لنگور سی گردن
اور اس پر طرہ یہ۔ کہ بولنے کی تمیز تک نہ تھی۔ جب بھی بولتا۔ آدھ آدھ گھنٹہ بغیر
سانس لئے بولتا چلا جاتا۔ اور آواز اتنی بھاری کہ الاماں
جب یہ لندن کے پنڈنگٹن اسٹیشن پر پہنچا۔ تو ٹیکسی کرایہ پر لے کر ایک ہوٹل میں
آ وارد ہوا۔ پہنچتے ہی اس نے ایک ویٹر (waiter) سے بہ آواز بلند پوچھا ہم یہاں
ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ تمہارا ریٹ (شرح) کیا ہے اور ہم سے کیا چارج کرو گے؟
ہوٹل کی کل شرائط سامنے ایک بورڈ پر لکھی ہوئی تھیں۔ ویٹر نے انگلی سے بورڈ
کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے بورڈ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھنا شروع کیا۔ اور بولا۔

" ایک گئی روز" رام رام۔ کیا کوئی لوٹ ہے۔

ویٹر۔ (ہنس کر) جناب آپ ٹھہرنا چاہتے ہیں یا جانا

مہندر۔ اب ٹھہریں گے نہیں۔ تو اب رات کو کہاں جائیں گے۔ چلو ہم کو کمرہ دکھلاؤ۔

اس پر ویٹر نے اسے کمرہ میں لے جاکر ٹھہرا دیا۔ اور اسباب بھی پہنچا دیا۔ نیند آئی ہوئی تھی۔ اور رات کے کھانے کا وقت (room meals) گذر چکا تھا۔ یہہ بھوکے پیٹ ہی سو گیا۔

صبح ہوئی۔ تو ویٹرس (waitress) نے اس کے لئے ایک سجی سجائی طشتری میں صبح کا کھانا لاکر پیش کیا۔ جب مہندر کی نظر گوشت پر پڑی۔ تو کہنے لگا۔ رام۔ رام۔ یہہ تو ہم نہیں کھائیں گے۔ گوشت تو ہم نہیں کھائیں گے۔

ویٹرس۔ یہ تو بیکن (Bacon) اور انڈا ہے۔ بڑے بڑے امیر آدمی (Breakfast) میں یہی کھاتے ہیں۔

مہندر۔ مَیں تو امیر نہیں بنتا۔ ایک غریب لڑکا ہوں۔ ہندو ہوں۔ پکا سبزی خور ہوں۔ یہ لے جاؤ میرا دھرم نہ بگاڑو۔

ویٹرس طشتری اٹھا کر چلی گئی۔ اس نے جاکر مینجر اور دیگر ملازموں کو یہ سب قصّہ سنایا۔ وہ تمام اس صورت اور اس سیرت پر خوب ہنسے۔ اور اُسے اُبلی ہوئی سبزی اور روٹی مکھن اور مربہ کے ساتھ بھیج دینے لگے۔

مہندر حیران تھا۔ کہ لنڈن کیا ہے۔ یہہ ایک لوٹ کی جگہ ہے۔ ایک گنی روزانہ چارج کر لیتے ہیں۔ لیکن کھانے کے لیے دیتے کیا ہیں؟ ہیم کے بیج۔ سوکھے مٹر اُبلے ہوئے۔ روٹی کے چند ٹکڑے اور وہ بھی ایسے بے مزہ کہ منہہ لگانے کو جی نہیں چاہتا یہ لوگ شریف آدمیوں کے بھیس میں ڈاکو ہیں۔ اور سچ مچ ایسے ڈاکو کہ خدا ہر کسی کو ان سے محفوظ رکھے۔

اسی طرح ہفتے دو ہفتے گذر گئے۔ اسی دوران میں مہندر کی ملاقات ایک اور ہندوستانی سے ہوئی۔ جسکا نام پریتم داس تھا۔ جو ایک شریف نوجوان تھا۔ اور

پانچ چھ ماہ سے یہیں مقیم تھا۔ مہندر نے اس سے ہوٹل کی مرثیہ خوانی شروع کر دی۔ اور کہا۔ ہم تو یہاں اس لئے آئے تھے۔ کہ آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شامل ہونگے۔ اور کسی انگلش لیڈی سے شادی کریں گے۔ اور تمام عمر عیش و عشرت سے بسر کرنے کا منصوبہ کر رکھا تھا۔ مگر یہاں تو خوراک کے ہی لالے پڑ گئے ہیں۔ اور میم ویم کی سب سدھ بدھ بھول گئی ہے۔

پریتم داس۔ ابھی آپ اس ہوٹل کو چھوڑ دیں۔ ورنہ یہ دیوالہ نکال کر رہیگا۔ یہاں کوئی مکان کرایہ پر لے لیں۔ اور کھانا (Restaurant) میں کھا لیا کریں۔ اس ترکیب سے کام سستا اور آرام بھی رہیگا۔

مہندر کو پریتم داس کی یہ تجویز پسند آئی۔ اور اس نے خالی مکانات کے لئے چکر لگانا شروع کر دیا۔ جہاں کہیں (Room to Let) لکھا دیکھا۔ وہیں اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اگلے دن اس نے ایک مکان کی کھڑکی پر یہ بورڈ لگا ہوا دیکھا اور اسے کھٹکھٹانے لگا۔

مکان کی مالکہ نے تہ خانہ کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ تو ایک کالا آدمی دستک دے رہا تھا۔ فوراً سمجھ گئی۔ کہ خالی کمرہ میں رہائش کے لئے آیا ہے چونکہ اسے کالے آدمیوں کی رہائش ناگوار گذرتی تھی۔ اس لئے اس کی دستک پر کوئی جواب نہ دیا۔ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ یہ بیچارہ دروازہ کھٹکھٹا کر آگے چلدیا۔

پانچ سات مکان آگے جا کر پھر ایک بورڈ کھڑکی پر لگا دیکھا۔ یہاں بھی اس نے دروازہ کو دستک دی۔

مالکہ نے دروازہ کھولکر دیکھا۔ تو ایک کالے آدمی کو کھڑا پایا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی کہدیا۔ افسوس! میں کمرہ کرایہ پر دے چکی ہوں۔ اسی طرح ایک تیسرے مکان کو دستک دی۔ اس کی مالکہ نے یہ عذر کیا۔ کہ میں اپنے مکان میں ایک اجنبی کو رہائش کی اجازت نہیں دے سکتی۔

مہندر نے کہا۔ ہم اجنبی تو نہیں ہیں۔ برٹش حکومت کی رعایا کے ایک فرد ہیں۔

ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔

مالکہ نے کہا۔ معاف کیجئے۔ میں صرف گورے آدمیوں کو کمرہ دے سکتی ہوں۔

مہندر اس متعصب عورت کو منہ ہی منہ میں گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ چند قدم جانے پر ایک اور مکان پر بورڈ لگا ہوا دیکھا۔ مکان کی مالکہ کو آوازیں دینا شروع کیں۔ مکان والی نے دروازہ کھولا۔ اور اس کی شکل وصورت دیکھ کر گھبرا گئی۔ پھر ذرا سنبھل کر کہا کہ میرا ایک کمرہ کئی مہینوں سے خالی پڑا ہے۔ اور اس وقت تک کوئی کرایہ دار نہیں آیا۔ بہتر ہے۔ کہ میں اسے کرایہ پر دے ہی دوں۔

چنانچہ اس نے خالی کمرہ دکھا دیا۔ اور پچیس شلنگ فی ہفتہ کرایہ ٹھہرا لیا۔

مہندر اپنا اسباب ہوٹل سے اٹھا کر اس کمرہ میں لے آیا۔ اور ایک گنی روز کے خرچ سے نجات پالی۔ اب یہ پرتیم داس جی کے مشورہ کے مطابق رہتا تو یہیں تھا۔ اور کھانا ریسٹورنٹ سے کھا لیا کرتا تھا۔

لنڈن میں یہ عام دستور ہے۔ کہ لوگ گیارہ بارہ بجے رات تک سیر و تفریح میں محو و مصروف رہا کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے وہ کبھی نہیں سوتے۔ مگر یہ حضرت ہندوستانی عادت کے مطابق ۹ بجے ہی بستر پر چلے جاتے۔ اور تین چار بجے اٹھ کھڑے ہوتے۔ لنڈن میں یہ آدھی رات کا وقت شمار کیا جاتا ہے۔ اور یہاں کا ہر بشر اس وقت خواب خرگوش میں خراٹے لے رہا ہوتا ہے۔ اس وسیع الشان شہر میں جہاں دن بھر شور و شر سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس وقت ہو کا عالم اور سناٹا چھایا ہوتا ہے۔

مہندر چار بجے اٹھتا۔ اور لوٹا ہاتھ میں لے کر بیت الخلا جاتا۔ جب یہ اپنے بڑے بھاری لکڑ توڑ بوٹ پہن کر نیچے اترتا۔ تو اس کے شور سے باقی کرایہ داروں کی میٹھی نیند میں سخت خلل پیدا ہوتا۔ مہندر حاجت ضروری سے فارغ ہونے کے بعد ٹھنڈے پانی سے ہی ہاتھ منہ دھو کر سندھیا اور پراتھنا پر بیٹھ جاتا۔ اگر ہاتھ منہ دھوتے ہوئے پانی کے چھینٹے فرش اور قالین پر پڑ جاتے۔ تو وہ اس بات کی چنداں پرواہ نہ کرتا۔

جب بھی کہیں باہر سے آتا تو وہ کوئی کپڑا پلنگ پر۔ کوئی کرسی پر کوئی میز پر۔ کوئی فرش پر گرا دیتا۔ حالانکہ اس کے کمرہ میں (Wardrobe) جس پر کپڑے لٹکائے جاتے ہیں۔ موجود تھا۔ اور اس کی کتابوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی ادھر ادھر بکھری رہتیں۔ اس کے برش اور کنگھی وغیرہ بجائے ڈریسنگ ٹیبل کے کہیں کے کہیں نظر آتے۔ الغرض یہ کسی چیز کو بھی ترتیب اور قرینہ سے نہ رکھنا جانتا تھا۔ اور نہ ہی صحیح تہذیب و اخلاق کی مالک بننے کا خواہشمند نظر آتا تھا۔

جب مکان والی اس کا کمرہ صاف کرنے آتی۔ تو اس کا کمرہ اس پریشان حالت میں دیکھ کر سخت پریشان ہوتی کہ کس قدر لاپرواہ ہے۔ یہ سالانہ بڑا ہے۔ یہ پاخانے جاتا ہے۔ تو وہاں بھی یہ کاغذ کے کئی ٹکڑے پھینک آتا ہے۔ اور کبھی اس کی زنجیر بھی کھینچ کر نہیں آتا۔

ایک دن یہ صاحب حسب معمول چار بجے موم بتی لے کر پاخانہ کے لئے نیچے گئے۔ اور پھر دیر آکر ہاتھ منہ دھو کر پڑھنے پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں باہر سے پولیس کے سنتری نے اس مکان کے دروازہ پر زور زور سے دستک دی۔

مکان والی نے جب اپنے دروازہ کا آواز سنا۔ تو سخت گھبرا گئی۔ کہ اس آدھی رات کے وقت کون آیا ہے۔ جھٹ پٹ ڈریسنگ گون لپیٹتی ہوئی نیچے اتری۔ تو پولیس مین کو دیکھا۔ اس سے پوچھا۔ کیا ہے؟

پولیس مین۔ تمہارے گھر میں کوئی چور معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اس وقت اس کے ہاتھ میں روشنی دیکھی ہے۔ وہ نیچے سے اوپر گیا ہے۔ اب وہ چوتھی منزل پر دھیمی سی روشنی نظر آتی ہے۔

مکان والی ذرا پولیس مین کو اپنے ساتھ اس منزل پر لے گئی۔ دیکھا تو مہندر روشنی کئے ہوئے پڑھنے میں مصروف بیٹھا ہے۔

پولیس مین نے اس سے دریافت کیا۔ کیا کر رہے ہو؟

مہندر۔ ہم انٹرنس پڑھا کرتے ہیں۔

مالکہ۔ یہ کون سا وقت انٹرنس پڑھنے کا ہے خیر آج تو میں پولیس مین کو واپس کر دیتی

ہوں۔ مگر آئندہ وہ آپ کو ایسی حماقت پر کہ آپ مکان والوں کی نیند میں خلل کا باعث ہوتے ہیں۔ ملزم کے طور پر پکڑے جائیگا۔

پولیس مین اور مکان والی نے مہندر کو آئندہ کے لئے تنبیہہ کی۔ کہ آپ سات بجے سے پیشتر ہرگز اوپر سے نیچے نہ اترا کریں۔ اور نہ ہی کسی دوسری طرح دوسروں کی نیند میں خلل انداز ہوں۔

مہندر کو اب یہ شوق چرایا۔ کہ وہ ولایت کی نازنینیاں تو بہ سہولت سے راہ و رسم پیدا کرے بھلا یہاں زر پرست و آوارہ مزاج لڑکیوں کی کمی ہی کیا۔ چنانچہ اسے حصول مقصد میں ذرا بھی دقت پیش نہ آئی۔ پہلے تو باہر ہی مل ملا آیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں انہیں اپنے گھر بھی لے آنے لگا۔ ایک دن مالکہ نے سات بجے مہندر کے کمرہ سے ایک نوجوان لڑکی نکلتے دیکھی۔ جسے دیکھ کر وہ نہایت حیران رہ گئی۔ اور زور سے قہقہہ لگا کر اپنے خاوند کے پاس گئی اور کہا۔

ارے! یہ ڈیم فول بلیکی اپنے کمرہ میں اب بازاری لڑکیوں کو بھی لانے لگا ہے۔

خاوند۔ خوب! بھلا ان زر پرست و ایمان فروش لڑکیوں کو دیکھو تو۔ لنگور کے پاس آتی ہیں۔

سچ ہے حور کے پہلو میں لنگور خدا کی قدرت ٭ زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت

مالکہ۔ یہ بلا تو ہمارے مکان کو بدنام کر دیگا۔ ایسے کرایہ دار رکھنے سے کیا فائدہ؟

خاوند۔ ہاں۔ ہاں بیشک اسے آج ہی نوٹس دیدو۔

مالکہ نے مہندر کو ایک ہفتہ تک کمرہ کو خالی کر دینے کا نوٹس دیدیا۔

مہندر چند دنوں کے بعد اپنے دوست پریتم داس کے پاس گیا۔ اور کہا کہ ہم نے کافی خاک چھان ماری ہے۔ مگر ہمیں کوئی مکان کافی تلاش کرنے پر بھی نہیں مل سکا۔ حالانکہ بے شمار مکانوں پر To let کے بورڈ دیکھے ہیں۔

پریتم داس اس طرز گفتگو سے ہی سمجھ گیا۔ کہ مہندر بالکل گنوار اور بدسلیقہ ہے۔

شکل وصورت بھی وحشیوں کی سی ہے۔ شاید اسی لیئے مکان سے نکالا گیا ہو۔ اور کوئی دوسرا مکان بھی اسی وجہ سے نہ مل سکتا ہو۔

پریتم داس نے کہا۔ حضرت گستاخی معاف۔ یہ سر کے لمبے لمبے بال کیا گنگا جی کے لیئے پال رہے ہو۔ یا جوالا مائی کے لئے۔

مہندر ناتھ۔ پریتم داس ہم کیا کریں۔ یہ ہمیشہ اسی طرح بڑھ آتے ہیں۔ ہم تو اب تک بیئس بائیس دفعہ کٹا چکے ہیں۔

پریتم داس۔ واہ بھئی واہ! بیئس بائیس کی عمر ہیں بائیس دفعہ کٹا چکے ہیں۔ خیر اب پھر جا کر کٹا آیئے۔ اور یہ خوفناک ناخن بھی اترُوا آیئے۔

مہندر ناتھ۔ ہم ان بالوں کو کٹانے کے لیئے ایک نائی کی دوکان پر گئے تھے۔ اس سے ناخن صاف کرنے کا بھی کہا تھا۔ اس نے کہا۔ کہ ہم صرف بال کاٹا کرتے ہیں۔ ناخن کاٹنے کی علیحدہ دوکان ہے۔ آپکو وہاں جانا ہوگا۔ ہم بال کٹائی کے لئے ایک شلنگ چارج کرتے ہیں۔ ایک دو شلنگ وہ بھی لے لیں گے۔

پریتم داس۔ تو کیا پھر آپ نے بال نہ کٹوائے؟

مہندر۔ اجی ایک شلنگ۔ رام۔ رام ذرا مردود کی بات تو سنو۔ شلنگ تو بارہ آنے کا ہوتا ہے۔ کیا بارہ آنہ ہی بال کٹائی کے اس بدمعاش کو دیدیں۔ اور پھر ناخن کاٹنے والے (Manicure) کی دوکان ڈھونڈتے پھریں۔ ایسی کونسی بڑی غرض پڑی ہے۔ ہم ایسے ہی بھلے ہیں۔

پریتم داس نے دل میں سوچا۔ چلو ایک شلنگ کی معمولی بات ہے۔ اس لنگور کو آدمی تو بنا دیں۔ پھر اسے کوئی کمرہ بھی آسانی سے مل جائیگا۔ یونہی مارا مارا نہ پھریگا۔

چنانچہ پریتم داس اس جانگلو کو حجام کی دوکان پر لے گیا۔ اور اپنی جیب سے ایک شلنگ نکال کے اُسے دیکر کہا۔ کہ ہمارے اس بابو صاحب کے یہ لمبے لمبے بال کاٹ دیجئے۔ اور ڈاڑھی مونچھ بھی ذرا وضع قطع کی بنا دیجئے۔

یہاں سے فارغ ہونے پر پریتم داس اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور اپنی قینچی سے

اس کے ناخن بھی کاٹ دیئے ۔ آئینہ دکھایا۔ اب تو مہندر صاحب بھی زعم میں آگئے ۔ دیکھیں! بھلا اب کون مسز ری مکان نہیں دیتی ۔ بی ۔ اے پاس ہیں۔ بارہ سو پونڈ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہتر ہوگا ۔ کہ اب ذرا بن سنور کر مکان کی تلاش پر نکلیں ۔ ہاتھ منہ دھو کر سر پر ایک زرد زر لنگی باندھ کر جو ہندوستان میں یہ کبھی کبھی باندھا کرتے تھے ۔ گلے میں سونے کی زنجیر ڈال لی۔ انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہن لی۔ اور ہاتھ میں چاندی کی ایک خوبصورت چھڑی سنبھال کر مکان کی تلاش میں چل دیئے ۔

مستانہ وار جاتے ہوئے ایک مکان کی کھڑکی پر بورڈ لگا ہوا اپنی کانی آنکھ سے دیکھ کر دستک دینا شروع کی ۔

مکان والی نے جب کواڑ کھولا ۔ تو اس کی لنگی اور زنجیر وغیرہ پر نظر پڑتے ہی سمجھی ۔ کہ کوئی ہندوستانی شہزادہ ہے ۔

یہ مسز رگب تھی ۔ جس نے بچپن میں بے شمار ہندوستانی راجاؤں کی کہانیاں پڑھی اور سن رکھی تھیں ۔ اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی ۔ کہ ہندوستانی لوگ خواہ کیسے ہی بدشکل اور کریہہ صورت کیوں نہ ہوں ۔ مگر ہوتے بڑے مالدار ہیں ۔ ان کے گھر اور محل جواہرات سے پُر ہوتے ہیں ۔ ساتھ ہی فیاض دل اور کم عقل بھی ہوتے ہیں ۔ جب کسی کی خدمت سے خوش ہوتے ہیں ۔ تو خزانے کا منہ کھول دیتے ہیں ۔

مسز رگب نے بغیر کسی حیل وحجت کے خالی کمرہ دکھلایا ۔ گو یہ پیچھے کا کمرہ تھا ۔ اور بالکل چھوٹا ۔ فرنیچر بھی اس میں حضرت نوح کے وقت کا پڑا تھا ۔ مگر پھر بھی اس نے ایک پونڈ فی ہفتہ کرایہ کہا ۔ جسے مہندر نے منظور کر لیا۔ اگر کوئی انگریز ہوتا تو اس معمولی اور بھدے کمرہ کے لیئے دس شلنگ بھی دینا قبول نہ کرتا ۔

مہندر اس کمرہ کو غنیمت سمجھ کر اپنا اسباب اٹھوا لایا ۔

مسز رگب کی عمر پچاس سال سے ہرگز کم نہ تھی ۔ اس کا ایک لڑکا پچیس [۲۵] سال کا تھا ۔ جو اپنی ماں سے علیحدہ رہتا تھا ۔ اور شادی شدہ تھا ۔ اس کی ایک لڑکی بھی تھی ۔ جسکی عمر تیئس سال کی تھی ۔ وہ بھی شادی شدہ تھی ۔ اس بڑھیا کے خاوند کو مرے ہوئے

تین چار سال گذر چکے تھے۔ مطلب یہ کہ یہ بیوہ تن تنہا اپنے مکان میں رہتی تھی۔ اس مکان کے آٹھ دس کمرے عموماً خالی رہتے تھے۔ جس میں خواہ حبشی آ رہے یا کالا ہندوستانی سے پروا نہ تھی۔ یہ بڑی محنتی اور جفاکش عورت تھی۔ دن بھر کام میں لگی رہتی۔ تمام کرایہ داروں کے کمرے اور کھڑکیوں کے شیشے اپنے ہاتھ سے صاف کیا کرتی۔ بلکہ ان کے کھانے بھی خود پکاتی۔ ان مصروفیتوں کے درمیان بھی وہ خندہ پیشانی رہا کرتی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ یہ اب تک جوانوں کی طرح توانا و تندرست نظر آتی تھی۔ اور اس کے چہرے سے اِس قدر عمر ڈھل چکنے کے ذرا بھی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ زمانہ ساز اور موقع بین بھی خوب تھی۔

اس کے کرایہ دار خواہ کیسے ہی بدسلیقہ و بے شعور کیوں نہ ہوتے۔ مگر یہ کسی سے نہ جھگڑتی۔ بلکہ محنت و خندہ پیشانی سے ہر اک سے پیش آیا کرتی۔

مسز گپ نے مہندر سے بھی کہا۔ کہ اگر تم کل کھانے یہیں کھایا کرو۔ تو میں صرف تین پونڈ فی ہفتہ چارج کیا کروں گی۔ جس میں چاروں کھانے۔ کمرہ کا کرایہ۔ لائٹ اور باتھ (غسل) بھی شامل ہوگا۔

مہندر۔ میں تو پکا ہندو اور سبزی خور ہوں۔ کسی قسم کا گوشت اور انڈے وغیرہ نہیں کھاتا

مسز گپ۔ چنداں مضایقہ نہیں۔ پہلے بھی سبزی خور ہندوستانی اس مکان میں رہ چکے ہیں۔ میں ان کو دودھ۔ دلیا۔ حلوہ۔ چاول۔ دال۔ کھچڑی۔ پوڑے وغیرہ بنا دیا کرتی تھی۔ اور وہ مجھ سے ہمیشہ خوش رہتے تھے۔

مہندر۔ ہیں یہ تمام چیزیں بنانا کہاں سے سیکھا۔

مسز گپ۔ ان لوگوں نے خود سکھایا۔ اگر آپ بھی کوئی چیز بنانا سکھا دیں۔ تو میں بڑے شوق سے سیکھنا چاہتی ہوں۔

مہندر اس بات پر راضی ہوگیا۔ اور تین پونڈ فی ہفتہ دینا منظور کر لیا۔

مہندر اول درجہ کا گنوار۔ بے تکلف اور باتونی تھا۔ اس کی صحبت کوئی انسان بھی پسند نہ کر سکتا تھا۔ مگر مسز گپ ہی تھی۔ جو اس وحشی مزاج سے ذرا بھی ناک بھوں نہ چڑھاتی۔

ایک دن مہندر اپنی ماں اور باپ کے مرنے اور اپنی چچی چچے کے بے جا سلوک کی داستان چھیڑ بیٹھا۔ اسی گفتگو کے سلسلہ میں یہ بھی کہا۔ کہ ہمارے باپ کی یہ ازحد خواہش تھی۔ کہ ہم ولایت سے ڈپٹی کمشنری کا امتحان پاس کر آئیں۔ اور کسی انگلش لیڈی سے شادی کریں۔ میرے نے وہ بنک میں بیس ہزار روپیہ نقد۔ اور ایک مکان چھوڑ مرے ہیں۔ مکان پر سر دست ظالم چچے کا قبضہ ہے۔ اور میں بنک سے تمام روپیہ یہاں لے آیا ہوں۔ جب چچا کے ظلم وستم بیان کر رہا تھا۔ تو یہ اپنے رونے کو ہرگز ضبط نہ کر سکا۔

مسز گب ایک جہاندیدہ عورت تھی۔ شیریں لہجہ میں دلاسا دے رہی تھی۔ کہنے لگی۔ اچھا جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اب گذری باتوں کو یاد کرنا فضول ہے۔ رونے سے والدین بھی واپس نہیں آ سکتے۔ اس لئے صبر کرنا ہی لازم ہے۔ میں تمہارے دردناک حالات سن کر نہایت متاثر ہوئی ہوں۔ اور مجھ سے جو کچھ تمہاری ہمدردی و خدمت ممکن ہوسکیگی دریغ نہ کروں گی۔

مسز گب نے جب یہ سنا کہ اس کے پاس بارہ سو پونڈ ہیں۔ تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ اسی لئے ہمدردی اور خدمت کے الفاظ سے جھوٹے مہندر کو قابو کرنا چاہتی تھی۔ یہ وصف صرف اسی ملک کی عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ کہ چالاک سے چالاک ہندوستانیوں کو اپنی مٹھی میں بند کر دیتی ہیں۔

ایک دن مسز گب ان بارہ سو پونڈوں پر قبضہ کرنے کے خیال میں اسقدر محو ہوئی۔ کہ اسے دنیا و مافیہا کی بھی خبر نہ تھی۔ خدا سے بھی یہی باتیں شروع کر دیں۔ کہ تو تو بڑا دانا عادل اور کریم ہے۔ مگر مجھے تو تیری سب سے بڑی غلطی یہی نظر آ رہی ہے۔ کہ تو نے اس گوری قوم کو چھوڑ کر جسے تو نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اور جس کے بنانے میں عمدہ سے عمدہ چاک مٹی استعمال کی۔ جس کے بنانے میں تو نے اپنی تمام صنعت اور کاریگری خرچ کی۔ جس کو عمدہ سے عمدہ دماغ دیا۔ اور اس کے اس دماغ کو تدبیر و سیاست سے لبریز کیا۔ حسن کی دولت دی۔ بہادر شجاع بنایا۔ حکومت کرنے کی عقل و تمیز دی۔ خوش اسلوبی سے انتظام کرنا سکھایا۔ تو نے اسی قوم کو چھوڑ کر دولت

سی بے بہا چیز سیاہ فام اقوام کو دیدی ۔ جسے تو نے نیچے کیچے کیچڑ سے محض گوری قوموں کی خدمت کے لئے بنایا تھا ۔ خدا اگر تو حقیقتاً دانا ہوتا ۔ تو تو ہرگز یوروپ کی سرزمین کو چھوڑ کر افریقہ اور ہندوستان کی سرزمینوں میں سونے چاندی وغیرہ کی کانیں پیدا نہ کرتا ۔ ان کالے آدمیوں کو زر و جواہر سے مالا مال نہ کرتا ۔ ان کے ملک میں قسم قسم کے اناج ۔ سبزی ۔ طرح طرح کے میوے نہ اگاتا ۔ اور بہشت نما چمن و گلزار نہ بناتا ۔ یہ لوگ تو دنیا میں زندہ رہنے کے بھی قابل نہیں ۔

کیا یہ کالا کلوٹا یدی لڑکی بارہ سو پونڈ سنبھال رکھنے کا روادار ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ کیا مجال کہ یہ اب میرے دام سے صحیح سلامت نکل سکے ممکن نہیں ۔ کہ میرے ڈستے کی دو ابیوولات بھی میں پا سکے ۔ میں اگر اسے پستول سے ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت کر دوں ۔ تو شاید میں کامیاب نہیں ہو سکوں گی ۔ زہر دینے سے بھی کچھ حاصل نہیں ۔ روپیہ اس کے کمرہ میں تھوڑا ہی رکھا ہے ۔ جسے میں جھٹ قابو کر لوں گی ۔ اس نے تو وہ سب بنک میں جمع کرا رکھا ہے ۔ زہر کی بجائے اسے گڑ سے ۔ رنا ہی بہتر ہوگا ۔ اب میں مکڑی بنکر محبت و الفت کا جال بچھاؤں ۔ اور اس سیاہ مکھی کو اس جال میں بُری طرح سے پھنساؤں کہ پھر یہ کسی صورت سے نکل بھی نہ سکے ۔ اور میں اس کا ہمیشہ کے لئے خون چوس لوں ۔

مسز گبِ نے اس سوچ و فکر کے بعد مہندر کو اپنے داؤ پیچ میں پھنسانے کے لئے وہ محبت آمیز سلوک شروع کر دیا کہ اس نے آجتک خواب میں بھی نہ دیکھا تھا ۔

یہ اُسے نہلاتی ۔ صاف ستھرے کپڑے پہناتی ۔ اس کے کمرہ کی تمام منتشر چیزوں کو قرینہ سے رکھتی ۔ بستر دھوتی ۔ فرش فروش کی صفائی رکھتی ۔ بریک فاسٹ اور ڈنر بڑے پیار سے پیش کرتی ۔ الغرض کوئی بھی ایسا دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی ۔ جو اُسے کامیاب کرنے کے لئے ممکن ہو سکتا تھا ۔

مہندر اس جادو اثر سلوک سے اسقدر خوش ہوا ۔ کہ ماں باپ کی شفقت بہجی دیچے کی بدسلوکی اور پیارے ہندوستان کی محبت تک فراموش کر بیٹھا ۔ اب تو جس طرف اسکی نگاہ اٹھتی ۔ اس عورت کا حسن سلوک نفاست ۔ لیاقت ۔ قرینہ ۔ اور سلیقہ نظر

آتا تھا۔

مہندر جب کبھی اس سے سوال کرتا۔ کہ یہہ باران رحمت کیونکر جاری ہوئی۔ تو وہ یہ کہتی۔
ڈیر! جب سے تمہاری دردبھری سرگذشت سنی ہے۔ مجھ کو قدرتاً تم سے اُنس ہوگیا ہے۔ اور
میرے دل میں رات دن تمہاری محبت جوشزن ہے۔ ۔ ۔ تو یہی جی چاہتا ہے۔ کہ خدا ایک
گھڑی بھی تم سے جدا نہ کرے۔

مہندر۔ تمہارے احسانات کا کہاں تک شکریہ ادا کریں۔ والدین کے مرنے کے بعد اگر کسی
مہربان اور باوفا عورت سے زمانے ملا دیا ہے۔ تو سچ مچ وہ تو ہے۔ اب یہی خواہش
ہے کہ تم سے ایک لمحہ بھی علیحدگی نصیب نہ ہو۔

مسز گب خدا ایسا ہی کرے۔

مہندر ناتھ ایک دن کرکٹ کے میچ سے زخمی ہوکر بستر پر آن گرا۔ اُس نے اس کی مرہم
پٹی کرنی شروع کردی۔ وہ بستر سے بچارا ذرا بھی حرکت نہ کرسکتا تھا۔ وہیں ٹٹی پیشاب
کردیتا۔ اور یہ اپنے ہاتھ سے اس کی ٹٹی پیشاب اٹھانے میں عار نہ کرتی۔ اس نے ایسی
خدمات کے صلہ میں مہندر کو سر سے پیر تک خرید لیا۔

مہندر تندرست ہوتے ہی مسز گب سے لپٹ گیا اور زار زار رونے لگا۔
اس نے کہا۔ روتے کیوں ہو۔ کیا میرے ہاتھوں تمہیں تکلیف یا اذیت پہنچی ہے

مہندر۔ نہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں تو اسلئے رو پڑا ہوں۔ کہ خدا مجھے تم سے جدا نہ کرے
میں تمہارے قدموں میں رہ کر تمہاری پرستش کے قابل بنا رہوں۔ اگر تمہاری طرف سے
ذرا بھی بیوفائی ہوئی۔ تو یقین جانو۔ میں ہرگز زندہ نہیں رہ سکونگا۔

مسز گب نے جب مہندر کو اسقدر عاجز اور فریفتہ دیکھا۔ تو سمجھ گئی۔ کہ اب میرا
جادو چل گیا۔ اور یہہ شکار بالکل ہاتھ سے نہیں جا سکتا۔ میں تو اُس قوم کی ایک لڑکی ہوں
جو دنیا بھر میں زر پرست مشہور ہے۔ دولت جمع کرنیکے لئے وہ محنت اور جفاکش کو
دوست بناتی ہے۔ سمندر چیرتی ہے۔ کوہ سے دریا بہاتی ہے۔ دولت کانوں میں ہو
تو کھود کر نکالتی ہے۔ سمندر کی تہ میں ہو۔ تو غوطہ لگاتی ہے۔ آسمان پر اڑتی ہے۔ ناتھ

پول اور ساودھ پول جاتی ہے۔ دولت کے لئے دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بناتی ہے
دولت کے لئے اگر جنگ چھیڑ نا پڑے۔ تو تیار لاکھوں کا خون بہہ جائے۔ تو معمولی بات ہے
کروڑوں بچے یتیم اور لاوارث ہو جائیں۔ عورتیں بیوہ اور بیکس ہو جائیں۔ تو کچھ پروا نہیں۔ دولت
کے لئے گدھے کو باپ بنانا پڑے۔ تو منظور۔ اسی دولت کے لئے حبشیوں میں جذب ہونا پڑے
تو قبول۔ کیا میں اس قوم کی صفات سے متنفر ہو سکتی ہوں۔ ہرگز نہیں۔

مسز گیب۔ مہندر یقین رکھو۔ خدا ہے اور تجھے یک قالب و دو جان بنانے کے لئے راہیں
صاف کر رہا ہے۔ اور اس کی مہربانیاں مبذول ہونیوالی ہیں۔

مسز گیب کی اس بات پر مہندر کی باچھیں کھل گئیں۔ اور وہ بیس پونڈ خرچ کر کے جھٹ
بازار سے منگنی کی انگوٹھی خرید لایا۔ اور اُسے پہنا دی۔

مسز گیب انگوٹھی کو دیکھکر از حد خوش ہوئی۔ اُسے چوما۔ مہندر کو پیار دیا۔ اور فرط
مسرت سے ناچنے لگی۔

دو تین ہفتے اسی طرح چہل پہل میں گذر گئے۔ اور آخر ایک دن ان دونوں کی شادی
ہو گئی۔ اور اب یہ عورت مسز گیب کی بجائے مسز ناتھ بن گئی۔

مسز ناتھ نے اپنی شادی کی خبر کو تمام واقفکاروں سے چھپائے رکھا۔ مہندر
نے کہا۔ کہ جب ہماری باقاعدہ شادی ہو چکی ہے۔ تو اس بات کو پردہ اخفا میں رکھنے
کی کیا ضرورت ہے؟

مسز ناتھ۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ بات اخفا میں رکھنے کے قابل نہیں۔ مگر مہندر
ہندوستان سے آئے ابھی صرف تین مہینے ہی ہوئے ہیں۔ اور یہاں کے طرز و اطوار سے قطعی
ناواقفیت ہے۔ اور ان فرائض سے بھی بے خبری۔ جو ایک Perfect husband
کے لئے لازمی ہیں۔ جب تم ان تمام باتوں میں کامل ہو جاؤ گے۔ تو واقفکاروں سے تعارف
کراتے کوئی دیر نہیں لگتی۔ اور اس خبر کا مشہور کرنا صرف چند منٹوں کا ہی کام ہے۔

مہندر۔ میں کن طرز و اطوار سے ناواقف ہوں۔ اور میرے لئے کون سے فرائض ضروری
ہیں؟

مسنر ناتھ۔ اول تو یہ کہ ہر انگلش خاوند اپنی بیوی کے لیئے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔ متوسط الحال ہو یا شہزادہ اپنی زندگی بیمہ کراتا ہے۔ ایک وصیت نامہ لکھ چھوڑتا ہے۔ جس میں اپنی عورت کو اپنی کل جائداد کا مالک ٹھیراتا ہے۔

مہندر۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میں ابھی جاکر کرا آتا ہوں۔

مہندر نے لائیف انشورنس کے دفتر میں جاکر اپنی زندگی کا بیمہ چھ ہزار پونڈ میں بیوی صاحبہ کے حق میں کرا دیا۔ اور ایک وصیت نامہ بھی لکھ چھوڑا۔ جس میں اپنی کل منقولہ و غیر منقولہ جائداد کی وارث اپنی عورت کو قرار دیا۔

مسز ناتھ نے بیمہ پالیسی اور وصیت نامہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔

اس عورت کے کہنے پر ایک مکان بھی دونوں کے نام پر خرید کر لیا گیا۔

جب یہ تمام مرحلے طے ہو چکے۔ اور اس عورت نے اسکا تمام روپیہ اس طریقہ سے کھینچ لیا۔ تو اب اس نے اپنی شادی کی خبر کو مشتہر کر دیا۔ اور مہندر ناتھ کو اپنے تمام دوستوں سے انٹروڈیوس کرایا۔ چونکہ مہندر نہ تو پڑھتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی ملازمت اختیار کر رکھی تھی سارا سارا دن بیکار رہنے کے باعث اسے یہاں کے دستور کے مطابق اپنی بیوی کا ہاتھ بٹانا ضروری تھا۔ اسلیئے اکثر طور پر کرایہ داروں کے کمرے جھاڑ دے صاف کرتا۔ باورچی خانہ کی ڈیوٹی دیتا۔ برتن دھوتا۔ کپڑے اُجلے کرتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اب اس کا روزانہ معمول ہو گیا۔ دونوں بازار جاتے مسز صاحبہ سودا خریدتیں۔ اور یہ سب چیزیں اٹھا کر لاتا۔ غرضیکہ وہ تمام کام جو اس کی طرف سے سپرد ہوتے۔ بلا چون و چرا کرتا۔

اس وارفتہ مزاج ہونک کے پاس کوئی پیسہ باقی نہ رہا تھا۔ کہ کسی کالج میں داخلہ فیس دیکر پڑھائی شروع کر سکتا۔

نیز یہ اول درجہ کا سست اور کاہل الوجود انسان تھا۔ اس لئے کولہو کے بیل کی طرح کام کر کرکے از حد گھبرا گیا۔ اب عیش و محبت کے افسانے فراموش ہو گئے۔ اور اس کے دل میں اضطراب اور دماغ میں پریشانیوں نے اڈا جما لیا۔ دن بھر بُڑ بڑاتا رہتا۔

اب اس کی نگاہیں پرنیم داس کی طرف اُٹھیں۔ کہ شاید وہ اس آڑے وقت میں کام

آ سکے۔ اس لئے وہ اس کے پاس گیا۔ اور اپنی سب درد کتھا سنائی۔

پریم داس نے مہندر کی اس بیجا کرتوت پر سخت نفرت کی۔ اور بغیر مشورہ شادی کر لینے پر سخت غصہ ہوا۔ کہا۔ افسوس! تو نے ایک بڑھیا بھٹیارن سے شادی کر لی ہے۔ وہ تو پوتوں والی ہے تو نے کیا نالائقی کی۔

مجھے تو تمہاری حالت پر ترس آ رہا ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں خود بھی ان گورے لٹیروں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکا ہوں۔ ورنہ میں ایسے موقعہ پر ہر طرح سے تمہاری مالی امداد کرتا۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں۔ کہ جس لنڈن کو تم بہشت سمجھ کر آئے تھے۔ اور جہاں تمہیں دنیاوی عزو جاہ کی بھوک مٹانے کی خواہش تھی۔ اب اسی کی دوزخ میں ساری عمر جل کر راکھ سیاہ ہو جاؤ۔

دوست! نہ صرف مجھے تمہاری اس عبرت ناک حالت پر افسوس ہے۔ بلکہ ہر اک ہندوستانی کو جو بھی یہ درد کتھا سنے گا۔ حسرت و افسوس کے دو آنسو بہانے پڑینگے۔ اور یہی کہے گا۔ کہ "خود کردہ را علاج نیست"

بیچارا مہندر بجید رنج و آلام کے باعث تپ دق میں مبتلا ہو چکا ہے اب وہ اس دنیا میں کچھ دنوں کا ہی مہمان ہے۔

کسی ہندوستانی بھائی کو یورپ کے دیکھنے کا شوق ہو۔ روپیہ ضرورت سے زیادہ جیب میں ہو۔ ہنگامہ زندگی سے فرصت ملے۔ تو وہ ضرور ایک سفر کریں۔ مگر یہ یاد رکھیں۔ کہ برطانوی زندگی ایک آئینہ ہے۔ جس میں کالا رنگ کچھ اور زیادہ کالا ہی نظر آتا ہے۔

دنیا کے آثار قدیمہ دیکھنے ہوں۔ تو روم و انگلستان کے عبرت انگیز کھنڈر دیکھئے۔ جس کے ایک چپہ پر ہزاروں برس کی تاریخ کے نقوش ثبت ہیں۔

مناظر قدرت دیکھنے ہوں۔ تو سوئٹزرلینڈ کی روح پرور وادیوں میں کچھ وقت گذار یئے زندگی کے مسائل کا مطالعہ کرنا ہو۔ تو جرمنی کا عزم کیجئے۔

اگر فطرت انسانی کی ادنےٰ اور اعلےٰ شعریت دیکھنا ہو۔ تو فرانس جائیے۔ انگلستان ان میں سے ہر چیز سے محروم ہے۔

(قاضی عبدالغفار)

غزل

جناب صاحبزادہ شاہد علی خاں شبیر رام پوری

وصال ہوتا ہے غیر ممکن یونہی رہیں گے ترس ترس کے
ہے ان کے قابو میں دل ہمارا کہ جو نہیں ہیں کسی کے بس کے

جگر کے چھالوں کو دیدۂ تر ہرا تو رکھنا برس برس کے
کہیں نہ بن جائیں داغ کالے یہ سوز غم سے جھلس جھلس کے

ہمارے دل میں بھی حسرتیں تھیں ہمیں بھی حاصل مسرتیں تھیں
وہ عیش کیں اب جو عادتیں تھیں یہ تذکرے ہیں کئی برس کے

بہت ڈراتے تھے امتحاں سے تلے ہیں مرنے پہ مرنے والے
چھری کھچے آستین اُلٹے وہ باندھیں دامن کمر سے کس کے

یہ خوف کیوں ہے عدو سے ملنے کہ دشمنی ہم کریں گے تم سے
نہیں شریفوں کے ایسے شیوے یہ کام ہوتے ہیں بوالہوس کے

نہ اب ہے ساقی نہ اب ہے ساغر وہ دن گئے عیش تھا میسّر
ہمیں رلایا ہے یوں شب ہجر گھٹا نے کیسا برس برس کے

مٹائیں غمخواریوں کی راہیں کھائیں کیوں یاس کی نگاہیں
عبث ہجر میں نے سرد آہیں کہ اڑ گئے ہوش ہم نفس کے

کبھی چمن کے تھے رہنے والے کبھی تھے آزاد رنج و غم سے
نہ پوچھ صیاد وہ فسانے کہ اب تو قیدی ہیں ہم قفس کے

نگاہ شبیر سے جو پھیری تو تو نے ساقی پلائی کیوں تھی
یہ بے رخی ایسی بے وفائی نہ پھر چکھائی لگا کے چس کے

تصویرِ انقلاب

(از قلم جناب راگھویندر راؤ صاحب جذب وکیل حیدرآباد دکن)

لاہور میں ایک انقلاب پیدا ہوا ہے ۔ جو ہندوستان کے ہر شہر و ہر گھر میں پھیلنا چاہتا ہے ۔ مجھے اس خواہش دیدنی یہ بھی ہوا کہ رہایت مولانا نامی کوہ سوار مدظلہ کے ہاں اس کا گذر ہوا ۔ میں پہلے بہت حیران رہا ۔ اور خدا سے اس انقلاب سے بچنے کی دعائیں مانگنے لگا ۔ لیکن دیکھے بغیر نہ رہا ۔ گو آخر میں نے مستقل مزاجی کے ساتھ انقلاب کی گردش کو دیکھا ۔ تو عالم حیرانی میں پریشانی کا سماں نظر آیا ۔ چونکہ ایک بار انقلاب ہوتا ہے ۔ تو سارے عالم میں تہلکہ مچ جاتا ہے ۔ مگر لاہور کا انقلاب عجیب انقلاب ہے کہ ہر ماہ ایک انقلاب ہوا کرتا ہے ۔ اب اگست کا انقلاب میرے سامنے ہے ۔ جس کی میں اپنی جدت سے خیالی کیمرہ کے ذریعہ تمسی فوکس سے تصویر اتارتا ہوں ۔ ناظرین اس تصویر کو بغور ملاحظہ فرمائیں ۔

پہلے اس عالم انقلاب میں میں نے آرٹ پیپر پر دیش بندھو سی ۔ آر ۔ داس آنجہانی کی تصویر دیکھی ۔ اس کے بعد شریمتی سرلا دیوی کو دیکھا جو عالم سکوت میں بیٹھی ہیں ۔ گھنٹوں شریمتی کے سامنے کھڑا رہا ۔ مگر میری طرف رخ نہ کیا ۔ اگر یونہی برسوں کھڑا رہوں ۔ تو مجھے امید نہیں ۔ کہ وہ ادھر متوجہ ہوں کیونکہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے خیال میں ایسے منہمک ہیں ۔ کہ اس چرخ نیلی فام کے نیچے چرخہ ہاتھ میں لئے بیٹھی ہیں ۔ اور سوت نکال رہی ہیں اور اس سوت سے سارے ہندوستان کے سپوتوں کو پوتر بنانا چاہتی ہیں ۔ وہاں سے کچھ آگے بڑھا ۔ تو خود ملک و دیش بندھو داس کا نوحہ رو رہا ہے ۔ مجھ سے بھی نہ رہا گیا ۔ میں بھی کچھ رویا اور آگے چلا تو بلبل صاحب کو دیکھا اگرچہ ان کی عمر کا پتہ نہیں چلتا مگر خیالات سے تو نونہال معلوم ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ تلاش محبوب میں سرگرداں ہیں ۔ اور وہاں سے کسی کو دیکھ ۔ کہ اپنی ساری عمر کو تصدق کر چکے ہیں ۔ اور سب کو سنا رہے ہیں کہ یہ وہ "میری تمنا" ہے ۔ اس کے بعد دو قدم آگے بڑھا نہ تھا کہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی بقول مولانا گرامی مدظلہ جو رہبرِ دہلی ہیں یہ جدید شاعری کا اولین "مشاعرہ" رچائے ہیں ۔ ایک طرف فصاحت باندی ہے ۔ تو دوسری طرف بلاغت خادمہ ہے اور پھر اس پر طرہ یہ کہ سلاست پھول برسا رہی ہے ۔ قدرت تو میاں کو دیکھا جو "[illegible]"

میں محو تھے۔ ان سے کچھ ہم کلام نہ ہوا۔ چونکہ خیالِ دوشیزگی میں بری طرح پھنسے تھے۔ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔
چپ چاپ آگے ہو لیا۔

قریب ہی میں ایک سیٹھ شیشمانی لندن میں کثیر دولت برباد کرکے بوریا بدھنا سنبھال کر ہندوستان واپس آنے پر کمر بستہ تھے۔ کہ جو ولایت آئے وہ بغیر خوبی واپس نہیں جا سکتا۔ بہر حال ان کا برا حال تھا ان دردناک و عبرت خیز واقعات کو سن کر شریمتی گرنہ دیوی صاحبہ نے اس واقعہ کو "آشوبِ لندن" کے مختصر نام سے موسوم کیا۔ سارے حاضرین و ناظرین اس عنوان کی داد دیکر روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے راستہ میں ایک وادی ملی۔ وہاں اختر کے منہ سے شہد بار رباعیات کی چھینٹا ریاں برس رہی تھیں۔ وہاں مجھ سے نہ ٹھہرا گیا۔ اس لئے اپنا راستہ لیا۔ اور ایک پُر فضا میدان میں نکلا۔ وہاں رونا پیٹنا کیا جا رہا تھا۔ کہ مکرمہ محترمہ سلطانہ صاحبہ "ماں کی یاد میں" رو رہی ہیں اور ہیبت رو رہی ہیں۔ جس کو سن کر میرا جگر پھٹا جاتا تھا۔ میں بھی اس درد کا شریک ہوں۔ چونکہ عہد طفلی میں میری ماں بھی داغِ مفارقت دے گئی ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ پھر ماں سے [illegible] محبت کرنے والی ماں یہ عطا فرمایا ہے۔ ورنہ کبھی کا خاک ہو جاتا۔ بہر حال اس مقام پر جگر خراشی کے سبب زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا چلدیا۔ دنیا بھی عجیب و غریب مقام ہے۔ کہ کوئی روتا ہے۔ تو کوئی ہنستا ہے۔ چونکہ یہاں ثاقب صاحب "بہارِ چمن" کا مزہ لوٹ رہے ہیں۔ ان کی خوش بیانی پر صدائے آفرین دیتے ہوئے چلا۔ تو ایک چودھری صاحب ایک استعجابیہ جملہ "عورت کیا ہے؟" پر غور کر رہے ہیں۔ اور عورت کی 'بیوفائی' 'سرد مہری' 'فریب محبت' ایسے ہی اور بھی تاریک پہلوؤں پر نظر دوڑا رہے ہیں۔ جو فی الحقیقت صحیح تھے۔ آخر چل کر [illegible] نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اتنے میں دور سے ایک خوش الحانی سنائی دی۔ جا کر سنا تو مطلب کی "غزل" تھی۔ وہاں کچھ یہاں تسکین نصیب ہوئی۔ ختم غزل پر ایک میدانِ کارزار میں نکلا تو "داستانِ آسٹریا کی [illegible]" کا واقعہ جس کا انجام دردناک ہے۔ قریب ایک سو سال پہلے کا ہے۔ جس کو اب جناب حکیم اظہر صاحب دہلوی [illegible] سنا رہے ہیں۔ کہ گویا کل کا واقعہ ہے۔ بڑا لطف آیا۔ اس کے بعد ایک "غل مشاعرہ" میں میرا گذر ہوا۔ وہاں بڑے بڑے کے شعراء جلوہ افروز تھے۔ مگر ہر شاعر ایک سے ایک بڑھ کر اپنی جودتِ طبع دکھلا رہے تھے۔ سامعین پر بھی اس کا اثر ہو رہا تھا۔ جدھر دیکھو۔ ادھر "طوفانِ اشک" باری تھی۔ میں بھی دو آنسو بہا کر برخاست بزمِ مشاعرہ پر سب کے ساتھ چلدیا۔ جاتے جاتے راستہ میں ایک انبوہ کثیر کو دیکھا۔ کہ ایک ڈیرہ کی اطراف تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ ڈیرہ کیا ہے۔ وہاں میں کون ہیں۔ اور اس اجتماع مخلوق کی کیا وجہ ہے۔

تو مجمع میں سے ایک نے کہا۔ کہ یہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ہے۔ اور اس میں لالہ گوردتہ رام صاحب مقیم ہیں۔ اور یہ ساری مخلوق دانتوں کی عالمگیر شکایت سے آئی ہے۔ اتنے میں لالہ صاحب تشریف لائے اور منجن دندان کا نسخہ کہکر چلے گئے۔ میں نے بھی اس کو نوٹ کر لیا۔ کیونکہ میرے اکثر احباب اس شکایت میں مبتلا ہیں۔ لالہ صاحب سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ صرف عالم قرطاس میں نقلی شکل دیکھکر خوش ہوا۔ اور دل سے دعا دیتا گیا۔ آگے ڈاکٹر چونی لال صاحب "صحت انسانی" پر لیکچر دے رہے تھے۔ کچھ دیر غور سے سنا معقول تقریر تھی۔ کچھ معلومات حاصل کئے۔ وہاں سے مدیر انقلاب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ "منتخبات جیب" کے عنوان سے کچھ مضمون لکھ رہے تھے۔ میں نے دو کل مضمون دیکھ لیا۔ اور آپ کے کام میں حارج ہوئے بغیر آگے بڑھا تو ایک "انعامی اندرجال" پھیلا تھا۔ اس میں نقلی دانے چنے گئے تھے۔ صیاد نے بڑے دعوی سے جال بچھایا تھا۔ اور اس شرط کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ کہ جو ان دانوں کو چن کر لقمہ بنائے۔ اس کے گھروں بہار ما ڈنک انقلاب پیدا کر نار ہیگا۔ شرط اچھی تھی۔ مگر وعدہ بڑا تھا۔ میرا مرغ دل جو چہرتے پیدتے ہوکا ہو گیا تھا۔ اس اندرجال میں گرفتار ہو۔ میری بری حالت ہوگئی۔ مگر میرے مرغ دل نے ان سب دانوں کو چن کر ان دو مصرعوں سے

نہ کور باطن ہو اے برہمن ذرا تو چشم تمیز وا کر
خدا کا بندہ بتوں کو سجدہ خدا خدا کر خدا خدا کر

کا لقمہ بنایا۔ اور جال سے ایسی حکمت عملی سے نکل آیا۔ کہ صیاد بھی ضرور حیران رہا ہوگا۔ اس لئے صیاد کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنا وعدہ ایفا کرتا۔ مگر آج ہی صیاد نے سوکھے و روکھے منہ سے جواب دیدیا ہے۔ کہ تیری محنت ٹھکانے نہیں لگی۔ اکارت گئی۔ چونکہ تجھ سے پہلے اس وعدہ کا مستحق زمانہ ہو چکا ہے۔ آخر اپنی شومئی قسمت پر گلہ کر کے خاموش ہو رہا ہوں۔

توسیع اشاعت

جن انقلاب پسندوں نے بہ ماہ گذشتہ انقلاب کے خریداران بنانے میں سرگرمی و خاص دلچسپی سے حصہ لیا ہے۔ ہم انکی اس معاونت و توسیع اشاعت کیلئے تہ دل سے شکر گذار ہیں۔ اور آئندہ بھی انکی ذات سے ایسی ہی توقعات ہیں۔ معاونان انقلاب کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:۔ (۱) چالیس خریدار دینے والے صاحب کی طرف سے دو۔ (۲) کنور ہمیر سنگھ صاحب حاکم گورنجا و تہا ہاتھ (۳) ماسٹر ایچ۔ ایل وشش بانسری (وزیرستان) ایک (۴) لالہ خوشی رام صاحب عبدالحکیم بر تھانول ایک (۵) ایک شینیدار صاحب ازلائل پور ایک (۶) سیکرٹری صاحب سناتن دھرم مہا بیر دل۔ کسولی۔ ایک

انکشافِ حقیقت

(از قلم محمد عبداللہ صاحب فضا حیدرآبادی۔ تلمیذ حضرت داغ دہلوی)

کیا کہوں ہے رونق افزا دل کے کاشانے میں کون
محو حیرت ہوں کہ ہے اس آئینہ خانے میں کون؟

پردۂ محمل اٹھا کر قیس کی جانب تو دیکھ
ہے جنوں انگیز لیلیٰ تیرے دیوانے میں کون؟

ٹھوکریں کھلوا کے مجھ کو جانِ عالم کی طرح
انجمن آرا بنا ہے میرے افسانے میں کون؟

محتسب چھپ کر اگر قرض کی پینے لگے
ہم دکھا دیں گے اترواتا ہے میخانے میں کون؟

بزم آرائے محبت گر نہیں حسن آفریں
پھر تپش افزا ہے پیشِ شمع پروانے میں کون؟

وہ عزادارِ عدو میں دل کے غم میں مبتلا
دونوں ہم یکساں ہیں جائے تعزیہ خانے میں کون؟

اس طرف سمرن کے منکے ہیں چھپا ہے بن کے رام
اور ادھر اللہ ہے تسبیح کے دانے میں کون؟

ہم بتا دینگے تجھے زاہد جو تو دیکھے اُسے
شوق سے کرتا ہے دل کو پیش نذرانے میں کون؟

کیسی یکتائی ہوا وہ منفعل جب یہ کہا
دو نظر آتا ہے دیکھے آئینہ خانے میں کون؟

ہاتھ سے چھونا قیامت کس حیا پرور کو ہے
لاجونتی سے ہے بڑھ کر آج شرمانے میں کون؟

عکسِ شاہی سے مزیّن تھا لفافہ یار کا
خط کو پہنچاتا وگرنہ مجھ تک ایک آنے میں کون؟

اے فضا وہ بے نظر اب کیوں نہ یہ ہر دم کہے
دلربا ہے ہم سے بڑھ کر اس پری خانے میں کون؟

نیا انعام

لاہور کے تمام کالجوں کے سٹوڈنٹس کے لئے ۲۵ ستمبر ۱۹۲۶ء تک دس روپیہ نقد کا ایک خاص انعام رکھا گیا تھا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے غالباً کڑی شرائط عاید تھیں۔ اس لئے کسی کالجیئٹ نے اس مقابلہ میں حصہ نہیں لیا۔ اب ہم گریجویٹ نمبر میں ایک آسان مقابلہ رکھیں گے جس میں ہر ایک صاحب خواہ وہ خریدار ہوگا۔ یا نہ۔ بخوشی شریک ہو سکے گا۔

منیجر انقلاب

جمیس۔ اے بادشاہ! جوش انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ پبلک نے جوش ہی میں آکر تو مسلمانوں کے خلیفہ سوم حضرت عثمان کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اور محض شبہ کی بنا پر عوام کے جوش کا مقابلہ کون کر سکتا ہے

زار۔ اچھا ان کا قصہ بیان کرو۔

حضرت عثمان کی شہادت

جمیس۔ آج مسلمانوں اور ترکوں کی حالت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کی روح رواں جمہوریت ہے اور اسلام استبدادیت کا سخت دشمن ہے حضرت محمد صاحب نبی تھے۔ مگر وہ اس کے باوجود ہر کام لوگوں کے مشورہ سے کیا کرتے تھے۔ یہی اسلامی جمہوریت اور شوریٰ کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ بعض مواقعہ پر پیغمبر کے اصحاب نے اُن سے اختلاف کیا۔ اور نبی صاحب نے ان لوگوں کی رائے قبول کی۔

بعد کے زمانے میں پیغمبر کے جانشینوں یعنی خلفاء کا بھی یہی طرز عمل رہا۔ اور ان کا انتخاب بھی عام رائے سے عمل میں آیا۔ کہ انتظام اور حکومت کا صحیح رستہ یہی ہے۔

مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر ہوئے۔ اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر خلیفہ منتخب ہوئے۔ جس کا زمانہ نہایت شاندار رہا۔ اور انہوں نے نہایت انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ رعایا کی خدمت صحیح معنوں میں کی۔ جو راتوں کو پھر پھر کر رعایا کی حالت دیکھنے اور اُن کی ہر چھوٹی بڑی تکلیف دور کرنے کی تدبیر کرتے رہے۔ مگر ۲۴ھ میں آپ کو ایک غیر مسلم غلام نے مار ڈالا۔ اور ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوئے۔ اور ان کے زمانہ میں بہت سے ملک فتح ہوئے۔

خلیفہ نے بیت المال قائم کیا۔ یہ قوم کا خزانہ تھا۔ اور قوم ہی پر صرف ہوتا تھا۔ خلیفہ کا

اس پر کوئی خاص حق نہیں تھا۔
خلیفہ نے ۲۴ھ میں مغیرہ کے حاکم کوفہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سعد بن وقاص کو مامور کیا۔
لیکن اگلے ہی سال سعد کو بھی معزول کیا گیا۔ اور حکومت پر ولید بن عقبہ کو مامور کیا۔
عمرو بن عاص ۲۷ھ میں امارت مصر سے سبکدوش کئے گئے۔ اور خلیفہ نے یہاں کی حکومت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو عطا کی۔
مگر اس وقت ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا۔ جو خلیفہ سے راضی نہ تھا۔ اور وہ خلیفہ پر الزام عاید کرتا تھا۔ کئی قبیلے صدائے احتجاج بلند کرتے تھے۔ اور کچھ شک نہیں۔ خلیفہ کے خلاف ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ جسے کوفہ اور مصر کے حاکموں کے غیر منتظمانہ طرز عمل نے آگ پر تیل کا کام کیا۔
مصر کے گورنر عبداللہ کے طرز عمل نے مصریوں کو ناراض کر دیا۔ انہوں نے گورنر کے خلاف آواز اٹھائی۔ اگلے سال ان کا وفد عبداللہ کی شکایت کرنے مدینہ آیا۔ اور عبداللہ کی معزولی پر زور دیا۔ پبلک کو اپنا ہمدرد بنایا۔
وفد خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضرت عثمان نے ان لوگوں کی دل جوئی کی۔ اور مصر کے گورنر کو تہدید نامہ لکھا۔
یہ سب کچھ ہوا۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ یعنی حاکم مصر کی روش میں خوشگوار تبدیلی نہیں ہوئی۔ بلکہ مظلوموں پر سختی کی گئی۔
جب یہاں تک نوبت پہنچی۔ تو وفد دوبارہ مدینے آیا۔ اس میں سات سو مصری تھے۔
یہ لوگ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پبلک کا مجمع بھی کثیر تھا۔
ایک مصری نے تقریر کی ــ جب ہم لوگ پہلے دربار خلافت میں حاضر ہوئے تھے۔ تو ہم نے اس شخص کی شکایت کی تھی۔ جسے خلیفہ نے ساری قوم کا حاکم بنایا ہے۔ اس وقت خلیفہ نے از راہ نوازش ہمارے معروضات پر توجہ فرما کر حاکم مصر کو تنبیہہ فرمائی تھی۔
لیکن میں نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ کہ عبداللہ پر اس کا کوئی اچھا اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ خلیفہ کو معلوم ہے۔ کہ اس شخص نے ہم لوگوں پر اور بھی تشدد روا رکھا۔ ہم پر

ظلم کیا۔ ہمارے بہت سے بھائیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اور وہ ہنوز اسی روش پر قائم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ مسافت بعیدہ، اور صعوبت کثیرہ اٹھا کر دربار خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ پس عبداللہ کو واپس بلایا جائے۔! اور ہم پر کسی بہتر آدمی کو حاکم بنایا جائے۔ امید ہے۔ کہ میری یہ درخواست جو میری قوم کی خواہش کے مطابق ہے۔ شرف قبولیت حاصل کریگی۔

اس کی تائید مسلمانوں کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے کی۔ ان کا نام **طلحہ بن عبداللہ** تھا۔ انہوں نے کہا کہ خلیفہ کو اس معاملہ پر فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے عبداللہ کو فوراً معزول کرنے پر زور دیا۔

عین اس وقت وہاں ایک لونڈی آئی۔ یہ حضرت محمد صاحب کی بیٹی عائشہ کی خادمہ تھی اس نے کہا کہ میں اپنی مخدومہ کا ایک ضروری پیغام لائی ہوں۔ خلیفہ تخلیئے میں سن لیں۔

خلیفہ نے لونڈی کو تنہائی میں لے جا کر اس سے پیغام پوچھا تو وہ بولی۔

میری مخدومہ نے فرمایا ہے۔ کہ جب پارلیمنٹ کے ممبروں کی عام خواہش ہے۔ کہ مصر کے گورنر کو معزول کیا جائے۔ اور عبداللہ پر دیگر الزاموں کے علاوہ الزام قتل انسانی کا بھی الزام لگایا جا رہا ہے۔ تو ان حالات میں آپ کو عبداللہ کی معزولی میں کیا تامل ہے۔ ضرورت ہے کہ اسے فوراً معزول کر کے عبرت انگیز سزا دی جائے۔

مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ایک دوسرے ممبر حضرت علی بولے۔ خلیفہ کو معلوم ہے۔ کہ یہ لوگ حاکم مصر پر خون کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور فی الحال صرف اتنا چاہتے ہیں۔ کہ اس کی جگہ کوئی بہتر حاکم مقرر کیا جائے۔! پس مناسب یہی ہے۔ کہ فی الحال عبداللہ معزول کیا جائے اور اہل مصر کے دعووں کی تحقیقات و تفتیش کی جائے۔ اور اگر وہ حق بجانب ہوں۔ تو ان کا انصاف کیا جائے۔

یہ سن کر خلیفہ بولے۔ بہتر ہے۔ مجھے اس میں تامل نہیں۔ لیکن زیادہ مناسب یہ ہوگا۔ کہ یہی لوگ اپنے لئے دوسرا گورنر انتخاب کریں۔ وہ جسے منتخب کریں گے۔ میں اسی کو حکومت مصر پر مامور کر دونگا۔

ایک مصری۔ مناسب ہو کہ بن ابوبکر کو ہمارا حاکم بنایا جائے۔!

خلیفہ۔ مجھے اس میں کچھ اعتراض نہیں۔ میں عبداللہ کو معزول اور محمد بن ابوبکر کی امارت کا فرمان تم لوگوں کے حوالے کئے دیتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ بھی مناسب ہے۔ کہ مہاجرین وانصار میں سے چند بزرگ ان لوگوں کے ساتھ جائیں۔ اور جو الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ان کی تحقیقات کریں۔

حاضرین۔ یہ تجویز نہایت معقول ہے۔ ہم اسے دل وجان سے پسند کرتے ہیں۔!

مصری وفد کا سرغنہ۔ ہم خلیفہ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ واقعی انصاف ہوا۔

مصری وفد واپس چلا گیا۔ اور ان کے ساتھ پارلیمنٹ کے کئی ممبر نیز دیگر ذی اثر لوگ گئے۔ مگر عمائدین مدینہ ایک ہی ہفتہ بعد واپس آگئے۔ اور سب کے سب خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے چہروں سے فکر و تردد اور غم کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ بعض جوانوں کے تیور بُری طرح سے بگڑے ہوئے تھے۔

یہ لوگ ایک غلام کو بھی پابہ زنجیر کر کے لائے تھے۔

خلیفہ نے ان لوگوں سے پوچھا۔ آپ لوگ واپس کیوں آگئے؟

ایک شخص۔ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس نے ہم لوگوں کو اندیشہ ناک بنا دیا اور ہم واپس پلٹ آئے۔

خلیفہ۔ آخر ہوا کیا؟ میں بھی تو سنوں۔

زبیر۔ ہم لوگ آپ کے ارشاد کے مطابق مصریوں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ لیکن جب تیسری منزل پر پہنچے۔ تو ہمیں یہ حبشی غلام مشتبہ حالت میں ملا۔ جو اونٹنی نہایت تیزی سے دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ یہ غلام آپ ہی کا تو ہے نا؟

خلیفہ۔ ہاں! میرا ہی ہے۔

طلحہ۔ اور یہ اونٹنی بھی خلیفہ ہی کی ہے؟

خلیفہ۔ ہاں یہ بھی میری ہی ہے۔ ہاں! تو پھر کیا ہوا؟

زبیر۔ غلام مشتبہ حالت میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یا تو وہ فرار ہو رہا ہے۔ یا کوئی نہایت اہم پیغام کہیں لے جا رہا ہے۔ لہذا ہم لوگوں نے اُسے روک کر پوچھا۔ کہ تو کہاں

جاتا ہے؟ اور کس کام پر؟

خلیفہ۔ وہ کیا بولا۔

زبیر۔ اس نے کسی قدر تامل کے بعد کہا۔ کہ میں خلیفہ کا خریطہ عامل مصر کے پاس لے جا رہا ہوں

طلحہ۔ ہم نے کہا۔ کہ عامل مصر (محمد بن ابو بکر) تو اس جگہ موجود ہیں۔ پس تو انہیں خط دیدے۔ مگر۔

خلیفہ۔ مگر

زبیر۔ غلام نے کہا۔ کہ یہ ہمارے مکتوب الیہ نہیں ہیں۔

طلحہ۔ جب محمد بن ابو بکر نے اس سے مختلف سوال کئے۔ تو وہ آئیں بائیں شائیں بکنے لگا کبھی کچھ کہتا تھا۔ اور کبھی کچھ۔ اس نے ایک بار تو یہ کہا۔ کہ میں خلیفہ کا غلام ہوں۔ مگر دوسری بار کہا کہ مروان کا غلام ہوں۔

زبیر۔ ہم میں سے ایک شخص نے اُسے پہچانا کہ یہ دراصل خلیفہ کا غلام ہے۔

طلحہ۔ اس سے مکرر پوچھا گیا۔ کہ تجھے کس نے۔ کس کے پاس کس کام کے لئے بھیجا تو وہ کہنے لگا کہ میں عامل مصر کے پاس خط لے جا رہا ہوں۔!

زبیر۔ مگر اس سے خط مانگا گیا۔ تو کہا کہ میرے پاس خط نہیں ہے!

طلحہ۔ لیکن جب اس کی تلاشی لی گئی۔ تو خط نہیں برآمد ہوا۔

زبیر۔ تاہم اس کے مشکیزہ کے اندر کچھ ہلتا ہوا معلوم ہوا۔ اور جب اسے چیرا گیا۔ تو اس میں سے خط نکلا۔ جو عبداللہ بن سرح کے نام تھا۔

طلحہ۔ اور اس میں عبداللہ کو حکومت پر قائم رہنے۔ نیز محمد بن ابو بکر و ان کے رفیقوں اور مصریوں کو تہ تیغ کرنے کی ہدایت تھی۔ پس اس واقعہ نے ہم لوگوں کو پریشان اور انگشت بدنداں کر دیا۔

زبیر۔ اور یہی وجہ ہمارے واپس پلٹ آنے کی ہے۔

طلحہ۔ یہ لیجئے وہ خط موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

وہ خلیفہ کو خط دیکر خاموش ہو گئے۔ خلیفہ نے وہ خط ہاتھ میں لے کر پڑھنا

اور تردد کی حالت میں پڑھا۔ اور اس کے بعد فرمایا ۔ ۔ ۔ خدا کی قسم! یہ خط نہ میں نے لکھا نہ لکھایا۔ اور نہ مجھے اس کا کچھ علم!

ابوطلحہ۔ لیکن یہ اونٹنی تو آپ ہی کی ہے نا؟

زبیر۔ اور غلام بھی جناب ہی کا؟

خلیفہ۔ البتہ۔

حضرت علی۔ اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خط پر مہر بھی خلیفہ ہی کی ہے۔

خلیفہ۔ بے شک! مہر بھی میری ہی ہے۔

حضرت علی۔ غلام بھی آپ کا۔ اونٹنی بھی آپ کی۔ اور خط پر مہر بھی آپ کی۔ لیکن خط کا آپکو علم نہیں یہ عجیب بات ہے۔

خلیفہ۔ میں مکرر قسمیہ کہتا ہوں۔ کہ نہ میں نے یہ خط لکھا۔ نہ کسی سے لکھایا۔ اور نہ غلام کو دکھیر بھیجا۔

ایک شخص۔ یہ تحریر مروان کی معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا۔ ہاں! ہمیں اس پر شک ہے۔

تیسرا۔ آپ مروان کو ہمارے سپرد کیجیے۔ تاکہ اس معاملے کی تحقیقات کی جائے!

پہلا۔ مروان خلیفہ کے مکان میں موجود ہے۔

خلیفہ۔ (بعد تامل) میں مروان کو آپ لوگوں کے حوالے کرنے سے معذور ہوں۔

ایک شخص ۔ معذور! کیوں؟

خلیفہ۔ مبادا کہ وہ بے چارہ مفت میں قتل ہو جائے۔ اور اس کا خون ناحق میری گردن پر رہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ لوگوں کا جوش بہت ہی ترقی کر رہا ہے۔

ایک شخص۔ آپ پھر غور کر لیں۔ مناسب ہے کہ آپ مروان کو ہمارے سپرد کر دیں۔

خلیفہ۔ نہیں! مجھے اس کی جان کا اندیشہ ہے۔

یہ سن کر تمام لوگ چلے گئے۔ مگر تیور سب کے بگڑے ہوئے تھے۔!

اس روز رات کو خلیفہ کے مکان کے گرد رفتہ رفتہ کثیر مجمع ہو گیا۔ مظاہرہ کی سی کیفیت

ہوگئی۔ گویا مکان خلیفہ کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اور ایسی سختی سے کہ مکان کے اندر پانی تک نہیں جانے دیا گیا۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ جس کے دل میں جو آیا بے تکلف زبان پر لایا۔
چنانچہ ان میں سے ایک بولا۔ ——— کچھ ہو خلیفہ کا دامن رشک و شبہ کے داغ سے پاک نہیں ہے۔
دوسرا۔ معاف کیجئے۔ خلیفہ عثمان جھوٹ بولنے والے انسان نہیں ہیں۔
تیسرا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ مروان، جو خلیفہ کے مکان میں چھپا ہوا ہے۔ ہمارے سپرد کیا جائے تاکہ ہم تحقیق و تفتیش کریں کہ کس شخص نے ہماری پارلیمنٹ کے ممبروں کے قتل کرنے کا حکم دیا ایسی بے حیا جرأت کس نے کی۔ اور کیوں کی؟
چوتھا۔ ہاں اگر مروان کی شرارت ثابت ہوئی۔ تو اُسے سزا دی جائیگی۔
۵ - اور اگر خلیفہ کی لغزش نکلی تو؟
۶ - تو پھر خلع خلافت۔!
پہلا۔ اب خلیفہ کے حق میں بہتر یہی ہے۔ کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائے۔ ورنہ
دوسرا۔ ورنہ
تیسرا۔ آثار اچھے نہیں ہیں۔!
عبداللہ بن سلام۔ لوگو! خدا کا خوف کرو۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ جانِ خلیفہ کس قدر قیمتی ہے! بھائیو! اس وقت اللہ کی تلوار نیام میں ہے۔ لیکن اگر عثمان شہید ہوئے۔ تو پھر تلوار قیامت تک چلتی رہے گی۔ قیامت تک نہ رکے گی۔! اور تفرقہ اقوام مٹائے نہ مٹے گا۔
اسی اثنا میں ایک ذی اثر شخص مغیرہ بن شعبہ نے خلیفہ سے گفتگو کی جس نے کہا۔ کہ
"افسوس! خلیفہ ہو کر آپ پر یہ آفت نازل ہوئی۔ پس اب آپ یا تو باہر نکل کر ان لوگوں سے جنگ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں۔ اور آپ کے طرفداروں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔
لیکن اگر یہ بات منظور نہیں۔ تو پھر کسی دروازے سے نکلکر اور اونٹ پر سوار ہو کر خانۂ کعبہ تشریف لے جایئے۔ دشمن بوجہ احترام حرم آپ کو نہ ستا سکیں گے۔
یہ بھی نہیں۔ تو آپ شام تشریف لے جایئے۔ وہاں جناب معاویہ موجود ہیں۔ وہ

ضرور خلیفہ کی حفاظت و امداد کریں گے۔

اس کے جواب میں خلیفہ بولے۔ میں جنگ کے لئے نہیں اٹھونگا۔ کیونکہ مجھے قوم کی خونریزی گوارا نہیں۔ مگر میں مکہ معظمہ بھی نہیں جاؤنگا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا۔ کہ حرم میں میری وجہ سے فتنہ فساد ہو اور میں اس کے عذاب میں گرفتار رہوں۔ میں مدینہ چھوڑ کر شام بھی نہیں جا سکتا۔

ابو ثور الفہمی نے بھی خلیفہ سے اسی مضمون پر گفتگو کی۔ مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔

تھوڑی دیر کے بعد بلوائی مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے بے گناہ خلیفہ کو محض شبہ میں تہ تیغ کر دیا۔

رموزِ معرفت

ہم اپنے کرم فرما سردار پورن سنگھ صاحب اہلووالیہ المتخلص سردار (سابق محتاج) کے تعارف یا آپکے کلامِ معرفت نظام کی نازک خیالیوں اور بلند پروازیوں کو یہاں نہیں سراہنا چاہتے کیونکہ اس نمبر کے آخری صفحات میں ریویو کے زیر عنوان جناب تمکین قریشی صاحب سونی کی طرف سے آپکی ایک تصنیف لطیف الموسوم آئینہ جذبات پر مدلل تبصرہ درج ہے (ایڈیٹر)

اللہ اللہ کس قدر وہ حسنِ پر تاثیر ہے
جس نے دیکھا ہے بمثلِ صورتِ تصویر ہے

آج تو بگڑی ہوئی بیمار کی تقدیر ہے
چارہ گر تا چارہ ہیں الٹی ہر اک تدبیر ہے

مست ہے پا تک ہوں میں جذبِ حسن میں ڈوبا ہوا
میری ہر اک سانس گویا آپکی تصویر ہے

ایک ویرانے میں ہیں کچھ ٹوٹی پھوٹی تربتیں
آہ! دنیا یہ ترے انجام کی تصویر ہے

چاندنی ہے ترے حسنِ بے حجابانہ کا نور
یہ سحر کیا آپکی دھندلی سی اک تصویر ہے

موت میں ہے وسعتِ آزادیٔ عالم کا راز
زندگی کیا اک مسلسل قیدِ بے زنجیر ہے

کوئی دن ہے ہستیِ فانی میں اے سرمستِ عیش!
خام بنیادیں ہیں اس کی کھوکھلی تعمیر ہے

جب یہ پوچھا کہ کیا اس وقت راش بہاری کے پنجاب آنے سے کام میں کچھ سہولیت ہو سکتی ہے۔

جواب ملا۔ ہاں۔ اگر وہ چاہیں تو آ سکتے ہیں۔

میں نے دل میں سوچا "ہاں اگر وہ چاہیں تو"

میں نے جان لیا۔ کہ انہیں راش بہاری کو اس طرف بلانے کی خواہش نہیں ہے جب میں نے سکھوں کے کچھ لیڈروں سے تعارف کرا دینے کے لئے ان سے تحریک کی سمجھنگے۔ ایسے لیڈروں سے ان کی خود واقفیت ہے۔ اس سے پہلے یہ مجھ سے کہہ چکے تھے۔ کہ "لاہور سے جمع کر کے مندرجہ بالا لیڈروں کو ہم ہزار روپیہ دے چکے ہیں"۔ اس طرح سے یہ جب وقت سکھوں کی بہت سی باتیں مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تو اس وقت میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

ان کی کوتاہ اندیشی سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ سب پنجابی اس ڈھنگ کے تھے۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ جو لوگ اصلی کارکن تھے۔ وہ دوسرے صوبجات والوں کی نسبت بنگالیوں کو زیادہ محبت اور عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ مجھے تو ایسا یاد آتا ہے۔ دوسرے صوبجات کے وہبیزے پنجابیوں کی نسبت سکھ لوگ بنگالیوں کی طرف زیادہ جھکے ہوئے تھے۔ میرا یہ خیال غیر درست نہیں۔ کہ جو لوگ کچھ کرتے دھرتے نہیں۔ وہی زیادہ تر باتیں بنانا جانتے ہیں۔ وہ مصداق ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ یا جو برستے ہیں وہ گرجتے نہیں۔ امیرے اول الذکر دوست ہمارے کاموں میں اکثر مختلف طریقوں سے امداد تو کیا کرتے تھے۔ مگر زیادہ تر وہ ہم لوگوں سے مجتنب ہی رہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم لوگ بھی ان سے بظاہر خاص تعلق نہ رکھتے تھے۔ ہاں اس وقت پنجاب کی اندرونی حالت کو درست کرنے کے لئے سب

کے پاس جانا ضروری سمجھا تھا۔ طبیعت میں پڑنے پر بھی یہ کسی خفیہ بات کو ظاہر نہیں کریں گے۔ اتنا اعتماد ان پر ضرور تھا۔ اور اس یقین کی صداقت بھی ہو چکی تھی۔ کیونکہ ایک دفعہ یہ گروپ میں آ چکے تھے۔

یہ سوچ کر کہ بلوہ کی تیاری کا نیا باب شروع ہو گیا ہے۔ میں ریل میں سوار ہو کر کانشی کی طرف چل دیا۔ بیٹھ کر سوچتا تھا۔ کہ کب کانشی پہنچوں۔ اور دادا کو کب یہ سارا حال سناؤں۔ پنجاب کی حالت دیکھ کر میں نے سمجھ لیا۔ کہ اگر بہت ہی جلد اس نئی طاقت کو مجتمع اور منظم نہ کیا جائیگا۔ تو سادے لوگ بے موقعہ ہی کچھ ایسا کر ڈالیں گے۔ جس سے ساری طاقت اور محنت کے منتشر ہو نیکا احتمال ہے۔ اسوقت کسے خبر تھی۔ کہ اتنی خبرداری اور اتنا سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے کے باوجود بھی ممکن اتفاق سے کام لینے پر بھی ایک دن ٹائیں ٹائیں فش ہوگا۔ خیالات کی اسی ادھیڑ بن میں میں نے یہ راہ میں ہی سوچ لیا تھا۔ کہ جتنی جلدی ہو سکے دادا کو ادھر کی طرف بھیجنا ہوگا۔ اور اپنے علاقوں کی چھاؤنیوں اور فوجوں میں بھی کام شروع کرنا ہوگا۔ یہ آگے چل کر بتاؤنگا۔ کہ ہم لوگوں نے اب تک اس طرف کیوں دھیان نہیں دیا تھا۔ میں نے یہ عزم مصمم کر لیا تھا۔ کہ میں پنجاب میں تو دادا کو بھیجونگا۔ اور خود بنگال کی طرف جاؤنگا۔ بنگال میں جا کر کام کرنے کی بہت دنوں سے مجھے خواہش تھی۔ اسی سلسلہ میں دادا سے پہلے بھی کئی بار بات چیت کر چکا تھا۔ مگر وہ ابھی اس بات سے متفق نہ تھے۔

ریل گاڑی جب پنجاب کی حد سے پار ہوئی۔ تو شام ہو گئی۔ اس وقت میرے کمرہ میں بہت مسافر تھے۔ شاید کل تین چار ہی تھے۔ اسوقت دنیا کے پردہ پر کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں بیسویں صدی کے جنگ عظیم کی گفتگو نہ چھڑتی ہو۔ مسافروں نے آپس میں تھوڑی سی بھی جان پہچان ہونے پر یورپ کے جنگ کی چرچا چھیڑ دی ہیں نے اپنے ایک ہم سفر رفیق سے دریافت کیا۔ کہ کیا آپ کے گاؤں سے بھی رنگروٹ بھرتی ہو رہے ہیں۔ اور کیسے؟

جواب ملا۔ فوج کے لئے اب بہت مشکل سے جوان ملتے ہیں۔ حالانکہ ترغیب و تحریص اور انعام و اکرام کی کوئی کمی نہیں۔ لوگوں سے کہا جاتا ہے۔ تنخواہ معقول ملے گی۔ اور ایک مہینہ

تنخواہ پیشگی دی جائے گی۔ خود مجسٹریٹ اور دوسرے افسر دیہات میں بھرتی کے لئے دورہ کرنے جاتے ہیں۔ جو لوگ فوج کے لئے ادھر ادھر سے آدمی بھرتی کروا دیتے ہیں۔ انہیں کافی کمیشن دیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہونے پر بھی آدمی نہیں ملتے۔ جو لوگ فوج میں بھرتی ہونے کے قابل ہوتے ہیں۔ وہ بھرتی کے خوف سے گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں بھاگ جاتے ہیں۔

میں نے پوچھا۔ کہ آپ کی طرف فوج کے لئے ایک بھی رنگروٹ نہیں ملتا؟

انہوں نے جواب دیا۔ کہ "لوگ بالکل نا سمجھ ہیں۔ وہ پہلے تو لالچ میں آ کر بھرتی ہونا منظور کر لیتے ہیں۔ مگر جب فوجی سپاہی کی اصلی ہیئت نمودار ہوتی ہے۔ تب وہ نوکری چھوڑنے کی درخواست پر بھی نوکری سے الگ نہیں کئے جاتے۔ ایسی حالت میں بہتیرے آدمی چھاؤنیوں سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر انہیں فراریوں کی پاداش میں پولیس کی سزائیں بھگتنی پڑتی ہیں"!

پنجاب کی حالت بھی میں ایسی ہی سن چکا تھا۔ وہاں تو رنگروٹ ملنا اور بھی مشکل ہو گیا تھا اس وقت میں نے ایک بات پر خاص طور پر دھیان دیا۔ کیا ریل کیا سڑک کیا کھیت بازار گھر سبھی جگہ ناتعلیم یافتہ لوگوں میں انگریزی سرکار کے حق میں ایک عجیب جذبہ پھیلتا چلا جاتا تھا۔ ایک دن کالسنی میں ایک بستی سے باہر کنوئیں کی جگت پر بیٹھ کر ایک دوسرے پرانت کے آدمی کے ساتھ ہمارے ہی کسی کام کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی۔ پاس ہی ایک کسان گھاس کاٹ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں گھاس کاٹتے کاٹتے بالکل ہمارے نزدیک آ گیا۔ اور ہم سے مسکرا کر پوچھنے لگا "انگریزوں کا راج رہیگا بھی یا نہیں"۔ ہم لوگوں نے پوچھا۔ تم کیا جانچتے ہو۔

جواب ملا۔" بابو! اب یہ ہندوستان میں نہیں ٹھہر سکتے۔ ان کا وقت ہو چکا۔ بابو جرمن لوگ کب تک آئینگے۔"؟

تب ہم لوگوں نے انہیں سمجھایا۔ کہ جرمنوں کے آنے سے ہمارا کچھ فائدہ نہیں۔ مگر اس پھر کہا۔ نہیں بابو جی! انگریز لوگ اب انصاف نہیں کرتے۔ اب ان کا چلا جانا ہی اچھا ہے۔

میں نے دیکھا۔ کہ بابو لوگ اگر ایسے لوگوں کی باتیں سن کر ہاں میں ہاں نہ ملاتے۔ تو

ان کو ذرا ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

کانشی میں پنجاب میل تین بجے پہنچا۔ مجھ پر پولیس کی خاص نظر رہی تھی۔ صبح سے شام کے نو بجکر دس منٹ تک پولیس یا تو میرے گھر کے دروازے کے سامنے ہی یا اس کے بغل میں ادھر ادھر بیٹھی رہتی تھی۔ گھر سے باہر پاؤں رکھتے ہی میری نقل و حرکت کی نگرانی کے لئے سایہ کی طرح میرا تعاقب کرتی تھی۔ گھر میں رہنے پر بھی لوگوں کے لئے مجھ سے ملنا جلنا آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ جس کے ساتھ پولیس میری بول چال دیکھتی۔ اس کی بھی اسی طرح نگرانی کرنے لگتی۔ جس طرح کہ میری کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں مجھ سے لوگوں کے ساتھ معمولی طور پر بھی لوگوں کا ملنا جلنا ایک مجرمانہ فعل تھا۔ جیسا کڑا پہرہ رہنے پر بھی میں ہر ایک قسم کے کام کرتا تھا۔ بنگال سے کانشی کے علاقہ میں بمب کے گولے اور ریوالور وغیرہ لے آیا اور پھر یہاں سے پنجاب کے مختلف حصوں میں ان چیزوں کو پہنچا دیا۔ سب کام اسی سخت پہرے میں ہوتے رہے۔ پولیس کی آنکھوں میں خاک دھول جھونکنا ہمارے لئے معمولی سی بات تھی۔ آگے کی باتیں لکھنے سے پہلے میں یہاں وہ چٹکلے لکھتا ہوں۔ جن سے معلوم ہوگا۔ کہ کس طرح ہم لوگ پولیس کے پہرے والوں کو بہکاتے تھے۔

پولیس کی نظر سے بچنے کے لئے ہماری سب سے بڑی حکمت یہ تھی کہ گھر سے نکلتے وقت ہوشیاری سے کسی طرح پہرے والے کو دھوکا دیں۔ اگر گھر سے روانہ ہوتے وقت پہریدار کی نظر سے نہ بچ سکے۔ تو کیا کیا۔ کہ اس بار نہ تو گروہ کا کچھ کام کیا۔ نہ ہی گروہ کے کسی ممبر سے ملاقات کی۔ اسوقت یا تو اپنے کسی واقفکار کے گھر چلے گئے۔ یا ہاٹ بازار میں ضروری سودا سلف خریدنے میں ایسی مصروفیت اختیار کرلی۔ کہ گھر والے بھی سمجھتے کہ آج تو سچندر کا دھیان گھر کے کاروبار میں خوب لگا رہا۔ کبھی کارمائیکل لائبریری میں جاکر ماہوار رسالوں اور اخباروں کی سیر کر کے پھر جہاں کا تہاں یعنی اپنے گھر آگیا۔ آخری حکمت یہ تھی۔ کہ اگر گرمیوں کا موسم ہو۔ تو گھر لوٹ کر ذراسی مالش کی۔ اور جاہنوی کے پوتر جل میں شریر اور من کو ٹھنڈا کر کے پہرے والے کو آسانی سے چھٹی دیدی۔ آسانی سے اسلئے کہ کسی کسی دن بیچارے کو ہمارا پیچھا کرتے کرتے ناکوں چنے چبانے پڑتے تھے۔ ان

پہرہ والوں میں سے کسی کے ساتھ بھی میرا شخصی جھگڑا نہ تھا۔ آنکھ سے آنکھ ملتے ہی میں مسکرا دیتا تھا۔ اگر کبھی اپنے سہ منزلہ مکان کی کھڑکی سے جھانک کر یہ دیکھنا چاہا۔ کہ پہرہ دار اسوقت کس طرف ہے۔ اور کیا کر رہا ہے۔ تو ٹھیک اسی وقت اس کی بھی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ تب میں نے جنگلے کو کھول دیا۔ حضرت نیچی نگاہ کرکے ٹہلتے ہوئے گھر کے سامنے سے مسکرا کر کچھ آگے بڑھ گئے۔ ایسا اکثر ہی ہوتا رہتا تھا۔ مگر بعض اوقات ان پہرہ داروں کو دہوکا دینے میں خوب مزا آتا تھا۔ اور اس طرح ہنسی مذاق کا مسالہ خوب ہاتھ لگتا تھا۔ کسی کسی دن ان کی تیز نگاہ کی بدولت کام میں بہت گڑبڑ ہو جانے سے ان لوگوں پر غصہ بھی کم نہ ہوتا تھا۔ تب ہم لوگ انہیں سمجھایا کرتے۔ بھیا! کسی طرح نوکری سنبھالے رہو۔ بھلا اس طرح دن بھر دروازہ کے سامنے ڈٹا رہنا کہاں کی بھلے مانسی ہے ؟ گھر والے اور ٹولہ محلہ والے کیا کہینگے۔ سرکار سمجھتی ہے۔ کہ ہم لوگ نہ جانے کون سے خطرناک کام کر رہے ہیں۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ بھائی تم اپنی نوکری کرو۔ بے فائدہ ہم لوگوں کو اس طرح نہ ستاؤ!

ان جاسوسوں میں بہتیرے بھلے آدمی بھی تھے۔ جو ہم سے اتنی عاجزی اور ادب سے بات چیت کرتے۔ کہ ہم ذرا بھی ان پر غصہ نہ ہوتے۔ ایسے لوگ اکثر صرف نوکری کے لحاظ سے شام سویرے یا دوپہر کے وقت چکر لگا کر یا تو میرے گھر کے پاس ہی کسی گلی میں آرام سے بیٹھے رہتے۔ یا سڑک پر ہی کسی دکان پر بیٹھ کر گپ شپ کیا کرتے۔ وہ صرف ایک بار ہی اتنا پتہ لگاتے تھے۔ کہ میں کاشی میں ہوں نہ۔ اگر ہم لوگوں کو کہیں جاتے دیکھ لیتے۔ تو سمجھانے سے باز نہ آتے تھے۔ کوئی کوئی تو اسطرح پیچھے جھاڑ کر ہمارے پیچھے پڑتا۔ کہ ہم اس کے جنم جنمانتر کے دشمن ہیں۔ تب ہم لوگ بھی انہیں ستائے بغیر نہ رہتے تھے۔ یہ کبھی کبھی کیا کرتے۔ کہ یونہی چکر کاٹ کر ایک گلی سے دوسری میں جا کر یکایک کہیں بھیڑ میں گھس جاتے۔ اور پھرتی سے نہ جانے کس سمت غائب ہو جاتے۔ اگر خفیہ پولیس کا کوئی داروغہ ہم لوگوں کو اس طرح آزاد یعنی بغیر نگرانی کے گھومتا پھرتا دیکھ لیتے۔ تو اس دن ہم پر نظر رکھنے والا جو سپاہی تعینات ہوتا۔ اُسے اس سُستی اور غفلت کا خاصہ مزا چکھنا پڑتا۔ جاسوسوں کے ساتھ لگاتار یہ آنکھ مچاونی سا کھیل کھیلتے کھیلتے ہم لوگوں میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی تھی

کہ ان لوگوں کو دیکھتے ہی بھانپ لیتے تھے۔ کہ یہ جاسوس ہیں۔ اب تو سب باتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اس لیئے اب یہ صاف معلوم ہو گیا ہے۔ کہ ہم کبھی پولیس کے چکمے میں نہیں آئے۔ صرف ہمارا پیچھا کر کے پولیس ایک بھی نئے آدمی کا پتہ لگانے کے قابل نہ ہوئی۔ ہم پر جسوقت سخت اور کڑا پہرہ رہا۔ اسوقت ہم لوگ بمب کے گولے اور ریوالور لیکر کانشی کی مختلف سمتوں میں آتے جاتے رہے۔ ان چیزوں کو کانشی میں باہر سے لائے بھی۔ اور پھر وہاں سے باہر بھی بھیج دیئے۔ میں ایک دن سویرے گھر جا رہا تھا۔ گھر کے پاس آتے ہی ایک دم خفیہ پولیس کے داروغہ کے سامنے جا پڑا۔ داروغہ اکیلا نہ تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک آدمی بھی تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرا کر آگے بڑھا۔ اور میرے پاس آ کھڑا ہوا۔ میں بھی اس طرح ہنس ہنس کر بات چیت کرنے لگا۔ دو کیا (Morning walk) کرنے تشریف لے گئے تھے"؟ میں نے کہا۔ جی ہاں! ذرا گھوم گھام آیا ہوں۔ "یہ کیا ہے" کہکر میرے پاکٹ بک کی طرف اس نے انگلی کا اشارہ کیا۔ میں نے اسی دم پاکٹ بک نکال کر داروغہ کو دیدی۔ اس میں نپولین کے اقوال اور ایسے ہی ایک دوسرے مشہور آدمی کی زندگی کے خاص تاریخی واقعات درج تھے۔ اس نے خوب دیکھ بھال کر مجھے کتاب واپس کر دی۔ پھر مسکرا کر ہم لوگ اپنی اپنی راہ چلدیئے۔ اس دن اور اسوقت میرے کوٹ کے نیچے والے پاکٹ میں گن کاٹن (اس کپاس سے بمب چلانے کی بتی کا فلیتہ بنتا ہے۔) اور اسی قسم کی دوسری خطرناک چیزیں بھی تھیں۔ دور سے نظر پڑتے ہی ہم لوگ تاڑ جاتے تھے۔ کہ یہ پولیس کا آدمی ہے۔ معمولی پہرہ داروں کو تو ان کی جوتیوں سے ہی پہچان لیا جاتا تھا۔ پھر زیادہ تر سر پر کی ٹوپی۔ رفتار کا طریقہ اور ہاتھ میں چھڑی رکھنے کے ڈھنگ اور ان کی اپنی خاصیت ہماری نگاہوں کو ان کے دھوکا سے بچا لیتی تھی۔ کبھی کبھی اپنے دوستوں کے باعث یہ لوگ پہچان لئے جاتے تھے۔ سڑک پر چلتے وقت ہم لوگوں کو کچھ ایسی عادت سی پڑ گئی تھی۔ جو کہ جیل سے لوٹ آنے پر بھی بہت دن تک بنی رہی۔ وہ یہ کہ سڑک پر چلتے وقت یکایک کسی جگہ ٹھہر کر کسی شخص سے بات چیت کرنے لگتے۔ اس موقعہ پر آگے پیچھے نظر ڈال کر ایک دو دفعہ اچھی طرح سے دیکھ بھال لیتے۔ کہ کوئی پیچھا تو نہیں کر رہا۔ سڑک کے موڑ پر جا کر پیچھے نگاہ

ڈالنے کی جو عادت مجھے پڑ گئی تھی۔ دوست اس عادت پر خوب مذاق اڑایا کئے۔ کئی دفعہ چیز مول لینے کے بہانے کسی دوکان پر ٹھیر کر یا کسی اور ڈھنگ سے چلتے چلتے ایک دم رک کر آگے پیچھے بغیر دیکھے میں راستہ چلتا ہی نہ تھا۔ میں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ کہ میری ذراسی بھی غفلت سے ہماری جماعت کی جماعت نیست و نابود ہو سکتی تھی۔ اگر ایک ہی چہرے پر کئی بار نظر پڑتی۔ تو اس پر فوراً شبہ ہو جاتا۔ اپنے شبہ کو رفع کرنے کے لئے کسی سنسان گلی میں جا نکلتا۔ اس وقت پیچھا کرنے والے جاسوس کو فوراً نظر کی گرفت میں لے لیا جاتا۔ یعنی یہ یقین ہو جاتا۔ کہ یہ جاسوس ہے۔ اسے لاچار ہو کر پیچھا چھوڑ دینا پڑتا تھا۔ اپنا پیچھا کرنے والے کو جب ہم اس طرح اپنے جنگل میں پھنسا لیتے تھے۔ تب کسی طرح اسے دھوکا دینا ہمارا پہلا کام ہوتا تھا۔ اور ایسے موقعہ پر چکمہ دینے کا خاص ڈھنگ تھا۔ سنسان راستے پر چلتے چلتے یکایک کسی بھیڑ بھاڑ میں جا کر غائب ہو جاتے۔ گھر جانے سے پہلے بھی میں خوب چوکنا ہو جاتا تھا۔ جس دن خاص کام ہوتا۔ اس دن تو بہت تڑکے گھر سے چل نکلتا۔ جب لوٹ کر گھر آتا۔ تو وہ دیکھتا۔ کہ میرا پیچھا کرنے کے لئے متعینہ پہرہ دار جو گھر کو اس طرح گھیرے بیٹھے ہیں۔ گویا میں گھر کے اندر ہی ہوں۔ الغرض پولیس کے ساتھ ایسا ہی تعلق رہا۔

میں تین بجے دن کو کاشی آ پہنچا۔ پولیس کی نظر بچا کر گھر گیا۔ اور پھر وہاں سے دادا کے ڈیرہ پر۔ راش بہاری اس وقت کاشی میں ہی تھے۔ لیکن پولیس کو خواب میں بھی ہمارے ان حالات کا علم نہ ہو سکا۔

(مترجمہ)

(ایڈیٹر)

رعایتی اعلان

رائیزادہ ڈاکٹر اے۔ ایس صاحب بھٹناگر پرنسپل جرمن ہومیو پیتھک کالج برانڈرتھ روڈ لاہور کی طرف سے ہمیں ایک روپیہ آٹھ آنہ کی رقم اسلئے عنایت کی گئی تھی کہ جس صاحب یا لائبریری کو پورا چندہ دے سکنے کی استطاعت نہ ہو۔ ان سے صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ بقیہ چندہ وصول کر کے سال بھر رسالہ انقلاب جاری کیا جائے۔ چنانچہ ہمارے پاس اس سلسلہ میں کافی درخواستیں آئی تھیں۔ لیکن بذریعہ قرعہ اندازی ان سب میں سے گاندھی ریڈنگ روم بھکر ضلع میانوالی اس رعایتی اعلان کا مستحق قرار پایا ہے

مینیجر انقلاب

UDHOSHA

یہ نگاہیں، یہ تبسم، یہ تیری رعنائیاں!　چشم نظارہ پہ ڈھاتی ہیں ہزاروں بجلیاں
اُف، یہ صورت! یہ جوانی! اور جوبن کا نکھار　دیکھنے والوں کا دل ہو جاتا ہے بے اختیار
سخت حیرانی میں ہوں۔ آخر میں تجھ کو کیا کہوں؟　رُو کش شیریں کہوں، عذرا کہوں، لیلےٰ کہوں
دستِ صانع نے بنایا تجھ کو ایسا دلفریب　ہاتھ سے جاتا رہا دل۔ گم ہوا صبر و شکیب
یہ لبِ شیریں ترے یاقوت کے ہمسر نہیں　چشمۂ کوثر بھی ان کے حسن سے بڑھ کر نہیں
تو مجسّم حسن ہے تو حور ہے فردوس کی　دل لبھانے میں غضب ہے، موہنی صورت تری
سب سے زیادہ دلربا ہے تیرا طرزِ سادگی　تیرے بھولے پن پہ ہو قربان۔ حورِ خلد بھی

جس پہ لاکھوں شوخیاں صدقے ہوں وہ انداز ہے
تیرے انداز و ادا پہ "ناز" کو بھی ناز ہے

آہ۔ او تصویر! او گمنام بھولی کافرہ　کچھ تو کہہ اپنی زباں سے صاف اپنا ماجرا
کون ہے تو؟ کس جگہ کی ہے؟ ترا کیا نام ہے؟　اس شبستانِ محبت میں ترا کیا کام ہے
محو ہے کس فکر میں، تو کیسے خاموش ہے!　تیری خاموشی قیامت کی اذیت کوش ہے

پردۂ ہستی پہ آ کر مجھ کو دیوانہ بنا!
بادۂ کیفِ سخن سے قلب مستانہ بنا!

ہادی قریشی

(۱)

سوشیلا کے پتا ڈاکٹر کدار ناتھ جی سے لاہور کا بچّہ بچّہ واقف تھا۔ بہت مدت گذری۔ لالہ
ی کس مپرسی کی حالت میں وارد ہوئے تھے۔ اور اپنی لیاقتِ خداداد کی مدد سے آہستہ آہستہ
رقی کرتے ہوئے شہر کے معزز افراد میں شمار ہونے لگے۔ پرماتما نے ان کے ہاتھ میں کمالِ شفا
رے رکھی تھی۔ عموماً نوّے ۹۰ فیصدی مریض ان کے دستِ مبارک سے صحتیاب ہو کر جاتے
تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ڈاکٹر صاحب کی شہرت کے علاوہ ان کی مالی حالت
میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ اور وہ لاہور کے متموّل لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ ڈاکٹر صاحب باوجود
اس قدر صاحبِ دولت و ثروت ہونے کے نہایت ہی منکسر المزاج و حلیم طبع واقع ہوئے
تھے۔ آپ کی دوکان پر صبح سے لے کر شام تک بچّوں۔ بوڑھوں۔ عورتوں کا ایک میلہ سا لگا رہتا
تھا۔ اکثر اوقات ڈاکٹر صاحب کو دن بھر کھانا کھانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ لیکن ان تمام
باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ ہر وقت پوری تن دہی سے مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ
میں مصروف رہتے تھے۔

(۲)

سوشیلا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ چونکہ سوشیلا کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی تھی۔
جب ڈاکٹر صاحب غربت کی منازل طے کر کے امارت کی راہ میں گام زن ہو چکے تھے۔ اس لئے ان
سے جہاں تک ہو سکا۔ سوشیلا کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جوں جوں سوشیلا
کی عمر زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ توں توں والدین کی محبّت دوچند ہوتی جاتی تھی۔ اب چونکہ ڈاکٹر صاحب
کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ ہو چکی تھی اور سوائے سوشیلا کے دوسرا کوئی ان کا وارث نہیں
تھا۔ اس لئے ان کے دل میں اپنی بیٹی کی محبّت بدرجہ کمال پہنچ چکی تھی۔ وہ ایک منٹ کیلئے
بھی سوشیلا کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اوائل عمر میں سوشیلا گھر پر ہی اپنی والدہ سے

لکھنا پڑھنا سیکھتی رہی۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کا خیال اس کو اعلےٰ تعلیم یافتہ خاتون بنانے کا تھا اس لیئے مجبوراً سوشیلا کو سکول میں داخل کرانا پڑا۔

مگر جب اس کے گھر آنے کا وقت ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب گھنٹوں پہلے ہی انتظار میں بیٹھ رہتے کہ سوشیلا آئے۔ اور وہ اس کو گود میں لے کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ غرضیکہ انہیں ناز برداریوں میں سوشیلا نے لڑکپن چھوڑ کر عالم شباب میں قدم رکھا۔ سوشیلا جو لڑکپن میں اپنی پیاری پیاری توتلی زبان میں والدین کا دل لبھایا کرتی تھی۔ اب وہی عاشق مزاج پرستاراں حسن و عشق کے دل و جگر پر اپنے حسن خداداد کا سکہ جمانے لگی۔

اس کا حسن کیا تھا۔ نوجوانوں کے لیئے گویا موت کا پیغام تھا جس طرف نگاہ غلط انداز سے دیکھا کُل ڈھیر کر دیا۔ کشیدہ قامت۔ چھریرا بدن۔ غنچہ دہن۔ گوری گوری رنگت پر سیاہ زلفیں عجب بہار دکھاتی تھیں۔ عابد بھی دیکھتا رشتہ خلطی ہو جاتا۔ اس کا تیر نگاہ ایسا نہ تھا۔ کہ کلیجہ میں کھٹکتا اور جگر کے پار نہ ہو جاتا۔ غرضیکہ کہاں تک اس حسن کی منہہ بولتی تصویر کی تعریف کیجائے۔ تمام بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔

تعجب نیست گر جاں رفت با تیرش زتن بیدل
کہ با مہماں بیروں از خانہ صاحب خانہ مے آید

(۳)

ڈاکٹر کیدار ناتھ کے مکان کی نچلی منزل میں ڈاکٹر جی کے نائب لالہ کندن لال جی رہتے تھے لالہ جی کی عمر ڈاکٹر صاحب کے لگ بھگ تھی۔ اور آپ ڈاکٹر صاحب کے سب سے پرانے ملازم تھے۔ زمانہ غربت میں جب ڈاکٹر صاحب پر نکبت و ادبار کی گھٹائیں چاروں طرف سے چھائی ہوئی تھیں۔ اور قریب تھا کہ ڈاکٹر صاحب گرداب مصائب میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جاتے مگر ایک لالہ جی کی ہی ذات تھی۔ جس نے اپنی ذہانت اور لیاقت سے ڈاکٹر صاحب کو نہ صرف ان مصائب سے خلاصی دلائی۔ بلکہ ان کی شہرت و ثروت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ ڈاکٹر صاحب کو ان پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ آپس میں بہت گہری محبت تھی۔ گویا یکجان و دو قالب تھے۔ گذشتہ پچیس ۲۵ سال کے عرصہ میں کوئی بھی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ جو ان دونوں اصحاب

کے درمیان کبیدگی کا موجب ہوتا۔ اول تو ڈاکٹر صاحب ہی حلیم اور بردبار واقع ہوئے تھے۔ اس پر لالہ کندن لال کی ذاتی لیاقت اور تجربہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا۔ لالہ جی کے گھر میں سوائے ایک لڑکے بشیشر ناتھ کے اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ بشیشر ناتھ نہایت شریف اور اولوالعزم نوجوان تھا۔ اس کی اور سوشیلا کی عمر میں کوئی چنداں فرق نہ تھا۔ اگر بشیشر ناتھ ایک سال بڑا تھا۔ تو سوشیلا ایک سال چھوٹی۔ چونکہ یہ دونوں بچپن سے ہی اکٹھے رہے تھے۔ اس لئے دونوں میں نہایت گہری محبت تھی۔ دونوں اکٹھے کھیلتے۔ اکٹھے کھانا کھاتے۔ حتیٰ کہ ان کو دو منٹ کی جدائی دوبھر معلوم ہونے لگتی تھی۔ جوں جوں ان کی عمر میں ترقی ہوتی گئی۔ توں توں ان کی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ادھر دونوں نے عالم شباب میں قدم رکھا۔ ادھر محبت نے عشق کی صورت اختیار کر لی۔ دونوں ایک دوسرے پر جان و دل سے فدا تھے۔ گھنٹوں اکٹھے بیٹھتے کبھی ہنسی مذاق کی باتیں ہوتیں۔ کبھی محبت پیار کے چرچے اور کبھی شکوہ و شکایت کے دفتر کھل جاتے۔ الغرض یہ زمانہ گذر گیا اور آخر وہ دن آیا۔ جب طرفین سے باہم شادی کے عہد و پیمان پختہ ہوئے

ایک رات چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے تختۂ دنیا پر ضیا پاش تھا۔ اس کی چاندنی ایسی چٹکی ہوئی اور جوبن پر تھی۔ کہ اس سے دن بھی شرمندہ و خجل تھا۔ باغ میں انواع و اقسام کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دماغ کو طبلہ عطار بنا رہی تھی۔ دونوں طالب مطلوب کوٹھی کے پاس باغ میں بیٹھے ہوئے ایسے معلوم دیتے تھے۔ گویا مہر و ماہ یکجا جلوہ افروز ہیں۔ نرگسی آنکھیں دنیا و مافیہا سے محض بے خبر ایک دوسرے کے بہار حسن کی گلچینی میں مشغول تھیں۔ شومیٔ بخت سے ڈاکٹر صاحب گشت کرتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ اس ناگوار نظارہ کو دیکھ کر آنکھیں خون کبوتر ہو گئیں۔ بے اختیار منہ سے نکلا۔ ایں۔ ایسی بے حیائی۔ یہ کون؟ سوشیلا اور بشیشر ناتھ۔ اف! میرے ہی ٹکڑوں کا گدا گر اور میرا ہی مار آستیں۔ سوشیلا نے آنکھ اٹھائی سامنے پتاجی نظر آئے۔ چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ خوشی کی لہریں جو ایک لمحہ پیشتر دلوں میں موجزن تھیں۔ یک قلم موقوف ہو کر اس کی جگہ غم اور مایوسی نے لے لی۔ شرم سے آنکھیں زمین میں گڑ گئیں پاؤں ڈگمگانے لگے۔ قریب تھا۔ کہ غش آ جائے۔ کہ اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے کڑکتی ہوئی زبان میں کہا۔

چنڈالنی! کیا میں نے تمہیں اسی لئے پالا تھا۔ کہ آج تو میرے دامن عزت کو اپنی بے حیائی کا داغ لگائے۔ کاش! تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔ اُف! ڈاکٹر کی لڑکی اور نوکر کے چھوکرے سے محبت انجام کو اس محبت کا مزہ جلدی معلوم ہو جائیگا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب گھر چلے گئے۔ اور دوسرے روز ان کا پرانا رفیق لالہ کندن لال اپنے عیال و اطفال سمیت وہاں سے ہمیشہ کے لئے بعد حسرت و ارمان رخصت ہوتے نظر آئے۔

(۴)

لالہ کندن لال نے ڈاکٹر صاحب سے علیحدہ ہو کر لاہور کے ایک اور حصہ میں دکان کھول لی۔ آدمی دانا اور تجربہ کار تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کاروبار چمک اٹھا۔ معقول آمدنی ہونے لگی۔ ادھر ڈاکٹر صاحب نے سوشیلا کا ناطہ ایک دولت مند گھرانے میں کر دیا۔ اور شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ بشیشر ناتھ نے بصد افسوس یہ خبر سنی۔ رہے سہے ہوش خطا ہو گئے۔ فوراً ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ نوکروں چاکروں سے مفصل حالات دریافت کئے۔ معلوم ہوا کہ خود سوشیلا کی رضامندی پر یہ رشتہ کیا گیا ہے۔ اور وہ ہر طرح خوش و خرم ہے۔ یہ سن کر بشیشر ناتھ کے سر پر بجلی گر پڑی۔ بہتیرا سوچا۔ لاکھ سر پٹکا۔ مگر خاک سمجھ نہ آیا۔ حیران تھا۔ وہ سوشیلا جس نے اس کے ساتھ مرتے دم تک اپنا عہد نبھانے کی قسم لی تھی۔ اتنی جلدی کیسے رضامند ہو گئی۔ سوشیلا کو خود ملنے کا ارادہ کیا۔ اسی دن شام کو جبکہ ابھی جھٹ پٹا ہی ہو چلا تھا۔ بشیشر ناتھ دوبارہ اندر داخل ہوا۔ اگرچہ وہ ان تمام خطرات سے جو کہ وہاں رونما ہونے لازمی تھے۔ کما حقہ واقف تھا مگر یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے۔

عشق کیا شے ہے کسی عاشق سے پوچھا چاہیئے
کس طرح جاتا ہے دل ــ بے دل سے پوچھا چاہیئے

وہ بیخوف اندر گھس گیا۔ اور سیدھا سوشیلا کے کمرہ میں پہنچا۔ حسن اتفاق سے سوشیلا اکیلی بیٹھی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ بشیشر ناتھ کو دیکھتے ہی ماتھے پر شکن پڑ گئے۔ غصہ میں بھر کر بولی تم کس کے حکم سے یہاں آئے ہو؟ بشیشر ناتھ کی اس غیر متوقعہ سوال سے گھگھی بند گئی۔ وہ کچھ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ سوشیلا نے ڈپٹ کر کہا چلے جاؤ۔ یہاں سے فوراً

نکل جاؤ۔ ورنہ ابھی شور مچا دوں گی۔

بشیشر ناتھ نے جی کڑا کر کے کہا۔ سوشیلا! اس محبت کا واسطہ جو کبھی تم کو میرے ساتھ تھی۔ بتاؤ۔ کون سا امر اس نفرت کا باعث ہوا ہے۔ کیا ان وعدوں کی بس یہی قیمت ہے۔ سوشیلا نے کچھ دیر گہری سوچ میں رہ کر دفعتاً بھوکی شیرنی کی طرح گردن کو بلند کیا۔ اور کڑک کر بولی۔ وہ زمانہ اور تھا۔ جو گذر گیا۔ اب تمہیں مجھ سے کسی قسم کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ ایک ڈاکٹر کی لڑکی اور نوکر کے چھوکرے سے محبت قابلِ نفریں ہے۔ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ بشیشر ناتھ کے سینے سے ایک سرد آہ نکلی۔ اور وہ سوشیلا کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا باہر چلا آیا۔

(۶)

سوشیلا کی شادی ہوئے چھ برس گذر ہو چکے ہیں۔ بشیشر ناتھ اسی زمانے سے مفقود الخبر ہے لالہ کندن لال اور ان کی اہلیہ بیٹے کی جدائی کے غم میں گھل گھل کر قریب المرگ ہو چکے ہیں۔ آنکھیں انتظار کرتے کرتے پتھرا چکی ہیں۔ ان کی دانست میں بشیشر ناتھ مر چکا تھا لیکن ایک دن ایک خوبصورت گاڑی لالہ جی کے مکان کے پاس آن کر ٹھیری۔ اندر سے ایک جنٹلمین انگریزی تراش کا لباس زیب تن کئے برآمد ہوا۔ یہ کون تھا۔ یہی تو لالہ بشیشر ناتھ تھا۔ والدین کا دل اسے دیکھ کر خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ والدہ نے بے اختیار ہو کر گلے لگا لیا۔ والد نے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ چھ سال کی طویل جدائی کے بعد اس ملاپ پر دونو طرف سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ جو گھر چند لمحہ پہلے ماتم کدہ تھا۔ اب وہی گھر بہشت بریں سے زیادہ دل آویز اور آرام دہ نظر آنے لگا۔ بشیشر ناتھ اب اگلا مسٹر بشیشر ناتھ نہیں تھا۔ بلکہ بیرسٹر بشیشر ناتھ تھا۔ چھ سال کے عرصہ میں ولایت جا کر اپنا کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اور اپنے حسنِ لیاقت سے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی آمدن پیدا کر لی تھی۔ ساتھ ہی بیرسٹری کے امتحان کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ گو اس کا ارادہ ولایت میں ہی بقایا زندگی گذارنے کا تھا۔ مگر والدین کی محبت نے اسے ہندوستان واپس آنے پر مجبور کر دیا۔ لاہور آ کر اس نے پریکٹس شروع کر دی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی خوش قسمتی اور لیاقت سے کافی شہرت اور دولت حاصل

کرلی۔ جسکے سرکار نے اس کو اپنا سرکاری وکیل مقرر کر دیا۔ اور اب وہ آرام سے اپنی زندگی گذارنے لگا ۔

(۷)

ایک دن لالہ بشیشر ناتھ کچہری سے واپس آکر اپنے کمرہ میں آرام کر رہے تھے۔ کہ ایک عورت میلی سی چادر میں منہ چھپائے کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اور اُن سے ملنے کی التجا کی۔ بشیشر ناتھ اگرچہ تھکے ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے فوراً اس کو اندر بلالیا۔ اندر آکر اس عورت نے جب اپنے منہ سے چادر اٹھائی۔ تو بشیشر ناتھ کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ وہ سوشیلا کھڑی تھی۔ کپڑے سخت میلے اور جا بجا پھٹے ہوئے تھے۔ وہ چہرہ جو کبھی حُسن و خوبصورتی میں یکتا تھا۔ گل زعفران کی مانند زرد پڑ چکا تھا۔ لالہ جی اس دردناک نظارہ کی تاب نہ لا سکے۔ آنسو اختیار سے باہر ہوگئے۔ جب ذرا سنبھلے۔ تو فرمایا۔ سوشیلا یہ کیا؟ چھ سال کے عرصہ میں ہی یہ حالت خیر تو ہے۔ سوشیلا نے آگے بڑھ کر بشیشر ناتھ کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور زار زار رونے لگی۔ لالہ جی نے اس کو اُوپر اٹھایا۔ اور نہایت عزت سے کرسی پر بٹھا کر دوبارہ استفسار کیا۔

سوشیلا نے کہا۔ میں قصوروار ہوں۔ میرا قصور معاف ہو۔ افسوس! میں نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا۔ اور آپکا دل توڑا۔ جس کا خمیازہ میں اب اٹھا رہی ہوں۔ پتا جی کا میری شادی کے چھ مہینے بعد انتقال ہوگیا۔ میرے ظالم پتی نے ان کی ساری جائداد پر قبضہ کر کے دوسری شادی کرلی۔ اور مجھے گھر سے باہر نکال دیا۔ اب میں کوڑی کوڑی کی محتاج ہوں۔

بشیشر ناتھ نے یہ سن کر ایک گہری سانس لی۔ اور کہا۔ سوشیلا میری نظروں میں تو وُہی سوشیلا ہے۔ جو آج سے چھ سال پہلے تھی۔ میرے دل میں تمہارے لئے ویسی ہی محبت ہے۔ جیسی اُس وقت تھی۔ جب ہم چاند کی چاندنی میں ہم آغوش تھے۔ تو دیکھو یہ اُسی محبت کا نتیجہ ہے۔ کہ بشیشر ناتھ باوجود صاحب دولت و ثروت ہونے کے آجتک ویسے ہی مجرد ہے۔ جیسا آج سے چھ سال پہلے تھا۔ آؤ بصد شوق آؤ۔ آئندہ ہمیشہ کے لئے اس گھر کو اپنا سمجھو۔ اور مجھے اپنا زر خرید غلام تصور کرو۔ مگر ایک شرط ہے۔

سوشیلا نے کہا۔ کیا؟ لبشیشر ناتھ نے جواب دیا۔ اب ہم بہن اور بھائی کی سی زندگی بسر کریں گے۔ سوشیلا نے رو کر کہا۔ اُف! یہ کیوں۔ کسلئے اسقدر قربانی۔ اگر یہی فیصلہ ہے۔ تو آپ اور شادی کر لیں۔ جواب دیا۔ ہرگز نہیں۔ جس دل میں تم ہو۔ وہاں دوسرے کی سمائی مشکل ہے۔ سوشیلا اچھا جیسے آپ کی مرضی۔

سوشیلا اب لبشیشر ناتھ کے پاس ہے۔ دونوں میں اتنی گہری محبت ہے۔ کہ کبھی سگے بہن بھائیوں میں نہیں دیکھی۔ دونوں بوڑھے ہو گئے ہیں۔ لبشیشر ناتھ نے بالکل شادی نہیں کی۔ ہر چند سوشیلا اس پر کئی بار زور ڈال چکی ہے۔ مگر وہ آج تک نہیں مانا۔ اس نے اپنی نصف جائداد سوشیلا کے نام لگا دی ہے۔ اور نصف رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ پرماتما ان کے نیک ارادہ میں برکت دے۔

بھگت سنگھ پرتیسی

چرواہے کی لڑکی

یہ امر باعث مسرت ہے۔ کہ آج ہمارے دوست جناب رمیش چند صاحب بیکس بی اے (آنرز) کی نظم زیب دہ عنوان ہدیہ ناظرین کی جارہی ہے۔ اس سے پیشتر آپکی ایک کہانی گوہر مقصود کے عنوان سے انہی صفحات میں درج ہوئی تھی۔ جسے مختلف اخبارات نے نقل کر کے اس کی مقبولیت کا بہترین ثبوت دیا تھا۔ یہ نظم بھی شستگی زبان چستی بندش۔ طرز ادا استعارات جدت تخیل کے لحاظ سے قابل صد تحسین ہے۔ ہمیں اس بات کا بیحد افسوس ہے کہ یہ نظم دیر سے موصول ہونیکے باعث کسی موزوں جگہ پر درج نہیں ہو سکی نیز موتی جہاں بھی گرے موتی ہے (ایڈیٹر)

گاؤں میں رہتی ہے اور آبادیوں سے دور ہے
دیکھ کر سامانِ قدرت شاد ہے مسرور ہے

اُسکا دل نورِ حقیقی سے سدا معمور ہے
نور میں ڈھالی گئی ہے اور سراپا نور ہے

فکر سے آزاد ہے غم سے ہے بالکل بے خبر
اور شرابِ بیخودی سے مست ہے مخمور ہے

دوڑتی پھرتی ہیں لہریں انبساط و شوق کی
اس کی پیشانی ہے یا اک چشمۂ کافور ہے

کھیلتی ہے بھولے پن سے سبزۂ قدرت پہ وہ
اور فریبِ عالمِ فانی سے کوسوں دور ہے

چشم ظاہر گر دنیا میں تو مشت خاک ہے
چشم حق بیں کے لئے ہر شئے ادراک ہے

صبح پیدا ابھی نہیں ہوتی ذرد دیوار پر　　قافلہ چرواہوں کا لاتی ہے سبزہ زار پر
رام سور کہتے ہیں اس نے بنے بال جیون بھی　　کیوں نہ صدقے جائیے اس قافلہ سالار پر
دوڑتے ہیں سب کے سب آواز پر دیوانہ وار　　حسن داؤدی فدا ہو جائے اس گفتار پر
اسنے آتے ہی یہ کیا اشعار پر افسوں پڑھا　　تازگی آنے لگی پژمردہ برگ و بار پر
ذرے ذرے میں خوشی کی روح ایسی پھونکدی　　رشک ہے فردوس کو جنگل کے اک اک خار پر

بے نیازی سے وہ اپنی برسر افلاک ہے
اور اس کے زیر پا اک عالم غمناک ہے

گونا گوں حالتوں میں دیکھو بہلاتی ہے وہ　　دیکھئے جس حال میں بھی خوش نظر آتی ہے وہ
پردۂ مشرق سے جب خورشید ہوتا ہے طلوع　　فرط شادی سے ترانہ صبح کا گاتی ہے وہ
تو خیاں کرتی کبھی پھرتی ہے ہر سو گھاس پر　　اور چن چن کر کبھی صحرائی پھل کھاتی ہے وہ
ہاں ابھی ٹیلے پہ تھی اور ہاں ابھی میدان میں　　اک چھلاوا ہے جہاں دیکھو نظر آتی ہے وہ
دھوپ سے پرہیز ہے اسکو نہ سایہ کی تلاش　　خندہ زن مشرق سے مغرب تلک جاتی ہے وہ

اب چرواہے کی لڑکی اس قدر بیباک ہے
اور ہماری زندگی بھی کتنی حسرتناک ہے

گلشن دنیا میں ہے وہ اک بہار بے خزاں　　اس کی سادگی میں ہمیں ملتا ہے اپنا کچھ نشاں
اس کے ہر انداز میں فطرت بھری ہے کوٹ کر　　ہر ادا سے ہند کی تہذیب کہنہ ہے عیاں
عالم ایجاد سے اس کو نہیں اصلا خبر　　پر کوئی حاجت نہیں اسکی گدائے دیگراں
رات دن حال ہویدا سے دل پر شوق میں　　موجزن عشق حقیقی کا ہے بحر بیکراں
اک نگاہ لطف ہے اس کی ہر اک کے واسطے　　بیکس و نادار ہو کوئی کہ ہو قیصر زماں

اک نظر سے اس کی دامان تصنع چاک ہے
حسن اسکا ظاہری آرائشوں سے پاک ہے

خطۂ زریں

بھارت کے جنوب مغرب میں ملایا ایک مشہور ملک ہے۔ جو کئی جزایر کا مجموعہ ہے جنہیں "آرکی پے لے گو" کے نام سے پکارتے ہیں۔

علم طبقات الارض کے عالموں کا بیان ہے۔ کہ کسی زمانہ میں جسکا نام "پالی نومین" رکھا گیا ہے وہ راجپوتانہ سے آسام تک سمندر تھا۔ مگر جنوب میں ہند سے ایک طرف آسٹریلیا تک اور دوسری طرف مشرقی افریقہ تک ایک براعظم تھا۔ جو اپنے زمانہ میں تہذیب کا شاندار مرکز تھا۔ مگر زمین کے بیٹھ جانے سے یہاں بحر عظیم پیدا ہوا۔ اور مڈیگاسکر۔ ماریشس۔ سنگاپور۔ جزایر ملایا وغیرہ درمیان میں رہ گئے۔ باقی سب پانی ہی پانی ہو گئے۔

جاوا کی وجہ تسمیہ رامائن میں جاوا کا نام سورن بھومی آیا ہے۔ مگر مسٹر مونڈ ورانل نے کافی تحقیقات سے حالات قدیم کی کھوج میں خاص کمال کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے کھنڈرات و کتبہ جات کی بنا پر ایک کتاب "جاوا اور جاوا کے لوگ" لکھی ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا ہے۔ کہ یہ علاقہ گجرات کے راجہ نے آباد کیا تھا۔ چونکہ زیادہ تر لوگ یہاں تجارت پیشہ آکر آباد ہوئے تھے۔ اس لئے اس کا نام دوج آواز (دوج لوگوں کے رہنے کی جگہ) پڑ گیا۔ اگرچہ دوج میں برہمن کھشتری ویش تینوں ذاتیں شامل ہیں۔ مگر دوج کا استعمال ویش لوگوں کے لئے بھی خاص طور پر آتا ہے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ کہ جاوا کے ہجے پہلے Duyava تھے۔ مگر اب رفتہ رفتہ صرف جاوا رہ گیا ہے

سنہ ۱۸۶۰ء کے مینویل جغرافیہ میں Dwajava ہجے کئے ہیں۔ مگر ۱۸۷۳ء کے جغرافیہ میں Djava رہ گیا۔ اور سنہ ۱۸۹۰ء کے بعد کے جغرافیوں میں صرف جاوا لکھا جانے لگا

کبھی وہ قابل ناز زمانہ تھا۔ جب ان جزائر میں ہندو ہی ہندو آباد تھے۔ ان کے سوا کی

دوسری قوم کا نام و نشان نہ تھا۔ اب بھی نہ صرف ہندو دھرم اور ہندو تہذیب و تمدن کے آثار باقی ہیں۔ بلکہ سا لکشنات ہندو موجود ہیں

چودہویں صدی کے آغاز میں جب عرب سے اس طرف یورش ہوئی۔ تو یہاں کے ہندو بہ جبر و اکراہ مسلمان بنائے گئے۔ مگر انہوں نے تو اسلامیہ تہذیب قبول کی اور نہ ہی ان پہ اسلامی رنگت کا کچھ اثر ہوا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ یو۔ پی کے ہندوؤں سے بھی زیادہ تر ان کے رگ و ریشہ میں ہندو دھرم رم رہا ہے۔ کیونکہ اب تک یہ لوگ رام۔ کرشن۔ ہنومان وغیرہ کے گیت گاتے ہیں دستکاریوں میں اور اپنے ناچ و سوانگ میں بھی برابر انہی بزرگوں کے نام لیوا ہیں۔ آئے دن یہ اپنے ہندو بھائیوں کی بے توجہی و بے التفاتی کے باعث عیسائی گرگوں کا لقمۂ تر بن رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بجائے از خود منکسر مزاج۔ پاک باطن اور زود اعتقاد ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے خون میں ہندو دھرم کا جوش بدستور موجود ہے۔

یہاں کے پرانے کھنڈرات اور مندروں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہاں کسی زمانہ میں ہندو راج کا پر عظمت جھنڈا لہراتا رہا۔ عہد سلف عالی شان کے یہ کھنڈر منہ بولتے مجسمے ہیں۔ جن کی اینٹ اینٹ میں ہندو سطوت کی داستانیں پوشیدہ ہیں۔ جسے دیکھ کر صد آہ و حسرت یہ شعر بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے۔ ؎

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا ٭ حسن عالم سوز جس کا آتشیں نظارہ تھا

اے خطۂ زمین کے ایک ایک ذرّے! تمہاری دیرینہ عزت و حرمت انقلابات زمانہ کے ہاتھوں بُری طرح پامال ہوئی۔ افسوس! وہ ہندو بیر کہاں ہیں، جو اس سورن بھومی کا بھر پور کر دیا کئے کونے کونے میں اپنے شان و شکوہ کا ڈنکا بجا رہے تھے۔ آج وہ اکناف عالم میں طوفان عظیم لانے والے کیوں اس عالم کے طوفان میں نیست و نابود ہیں۔

اے دور نا بندہ لے پروردہ آغوش موج ٭ لذت طوفان سے ہے نا آشنا دریا ترا

سوماٹرا یہ جزیرہ جاوا سے بہت بڑا ہے۔ یہاں ربڑ۔ تمباکو۔ پان وغیرہ کی بہت پیداوار ہوتی ہے۔ اس کا نام اب تک دلی ہے۔ یہاں سکھ لوگ بکثرت ہیں۔ ان کا گوردوارہ بھی ہے۔ صدر مقام کا نام میدان ہے۔ میدان میں سکھ۔ سندھی۔ اور کچھ پنجابی دکاندار بھی ہیں

مگر زیادہ تر دوکانداری اور بیوپار کا کام چینی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ چینی لوگوں نے تمام ملایا سٹیٹ میں اپنا سکہ جما رکھا ہے۔ یہاں کی زبان ڈچ اور ملائی ہے۔ کیونکہ یہاں ہالینڈ کی حکومت ہے۔ انگریزی جاننے والے بہت کم آدمی آباد ہیں۔

جن پنجابی بھائیوں نے یہاں آ کر دوکانداری کا کام جاری کیا ہے۔ وہ اچھے آسودہ حال ہیں۔ سکھ اور دوسرے پنجابی زیادہ تر کپڑا فروخت کرنے کا کام کرتے ہیں۔

علاقہ معتدل آب و ہوا خوشگوار ہے۔

یہاں کی پہاڑی چودہ ہزار چار سو فٹ بلند ہے۔ اس پر نظارہ نہایت دلفریب دکھائی دیتا ہے۔ یہ علاقہ ہر طرف سے سبزی سے سبز نظر آتا ہے۔

برسات قریباً روزانہ ہوتی ہے۔ مگر موسم ہمیشہ معتدل رہتا ہے۔ ہندوستان کے ماہ اکتوبر سا موسم یہاں سارا سال رہتا ہے۔

سوماٹرا کے جزیرہ میں ہندوستانیوں کی کل آبادی تقریباً پندرہ ہزار ہوگی۔ یہ سب آسودہ حال ہیں۔ چوری چکاری بہت ہی کم ہے۔ کیونکہ یہاں بیکاری نہیں ہے۔ ہر آدمی اپنے کام میں خوب مشغول ہے۔ سندھیوں اور پنجابیوں کی دوکانیں ہیں کے قریب ہیں۔ جو ریشمی پارچات و دیگر سامان ضروریات کی فروخت کا کام کرتے ہیں۔ سکھ لوگ زیادہ تر دودھ فروخت کرنے۔ باہر جا کر کپڑا بیچنے اور سود پر روپیہ دینے کا کام کرتے ہیں۔

یہاں کے ہندوستانی بھائیوں کا بیان ہے کہ یہاں ہمیں ہر طرح کی راحتیں نصیب ہیں۔ کسی قسم کی کوئی بھی تکلیف نہیں۔ آزادی امن اور چین کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔

انکم ٹیکس ہر ایک کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ موٹر سائیکل اور موٹر لاریوں کی بھر مار ہے۔ رات کو برقی روشنی ہوتی ہے۔ گویا یہ شہر بھی نئی تہذیب کا نمونہ ہے۔

یہاں کا روپیہ ہندوستان کے ایک روپیہ دو آنہ کے برابر ہے۔

ریل کا کرایہ تیسرے درجہ کا ایک آنہ فی میل ہے۔ اور دوسرے درجہ کا دو آنہ فی میل ہے۔ انٹر کلاس درجہ درمیانہ نہیں ہے

سیام اور ملایا میں سکینڈ کلاس کا کرایہ ڈیڑھ آنہ فی میل ہے ۔
سبزی ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے ۔
دودھ بکثرت ہے کیونکہ چراگاہیں عام اور گھاس بہ افراط ہے ۔ اس لئے گائے رکھنے والے کو کسی خرچ کا متحمل نہیں ہونا پڑتا ۔ ملایا اور سیام کے لوگ دودھ پینے سے آجتک متنفر ہے ۔ مگر اب ہندوستانیوں سے ارتباط بڑھنے پر بعض لوگوں نے دودھ کا استعمال شروع کر دیا ہے ۔ پہلے سیامی ہندوستانیوں کو طعن و تشنیع کرتے تھے ۔ ہم مرے ہوئے جانور کا گوشت کھاتے ہیں مگر آپ کی طرح نہیں ۔ کہ زندہ جانوروں اور گائے کا خون چوس کر پیتے ہیں ۔ تم تو رو رگائے کا خون نچوڑ کر پیتے ہو ۔ اور اس کی اولاد کو اس کے حق سے محروم کرتے ہو ۔ جب ان کے اس طنز آمیز فقرہ کے جواب میں یہ کہا جاتا کہ دودھ خون کا جزو نہیں ہے ۔ اور نہ ہی وہ خون سے بنتا ہے ۔ تو وہ پہلے ہماری اس منطق اور فلسفہ کو نہیں مانتے تھے ۔
خالص اور خوش ذائقہ دودھ جیسا ہمیں بنکاک اور رایوبن میں ملا ویسا اور کہیں میسر نہیں ہوا ۔
یہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے بیشتر ہے ۔ اس لئے بدکاری بھی کثرت سے ہے ۔

بٹاویہ دلی سوماٹرا سے جو جہاز جاوا کو جاتا ہے ۔ وہ جاوا کے دار الحکومت بٹاویہ میں چوتھے روز پہنچتا ہے ۔ بٹاویہ شہر کیا ہے ۔ بقول شاعر ڈرافل " رضوان مشرق " ہے یہاں کی عمارات سڑکیں ۔ اور باغ ہندوستان کی تہذیب گذشتہ کی یاد دلاتی ، ہیں ۔ جاوا کے لوگ اگرچہ بہت تعداد میں مسلمان ہیں ۔ مگر ہندو دہرم کی عظمت ان کے دلوں میں بدستور موجود ہے ۔ کئی لوگ اپنے آپ کو آردج اور آرجا کہتے ہیں ۔ جو آریہ شبد کا بگاڑ ہے ۔
یہاں بھی سندھی بھائیوں کی دوکانیں موجود ہیں ۔ چنانچہ دموں آسیال کی دوکان ہم نے بنکاک ۔ سنگاپور ۔ پینانگ ۔ کولالمپور ۔ جاوا میں بھی دیکھی ہے ۔ سندھیوں نے وطن سے باہر نکل کر بہت روپیہ کمایا ہے ۔
پنجابیوں نے تو " بابا اُل ٹپّی پکائی گھل " با گھر کی آدھی باہر کی ساری برابر ہے ۔ یا " پرماتما دیگا ۔ تو چھپر پھاڑ کر " کے فقرات نہی نوک زبان کر رکھے ہیں ۔ ورنہ اگر یہ لوگ ان علاقہ جات میں کثیر التعداد آتے ۔ تو ہر قسم کے روزگار مل جاتے ۔ اور آسودہ حال ہوتے ۔ یہ کیا ہی سچ ہے ؟

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے جدا ہوا ÷ اس کی قدر ہوئی جو وطن سے جدا ہوا

سومانڑا میں ایک دوکان سوہن لال ہنسراج سکنہ بٹاری ضلع امرتسر کی ہے۔ اسوقت انکی تین دوکانیں سومانڑا میں چل رہی ہیں۔ بہت آسودہ حال ہیں۔ چھبیس برس سے یہیں آباد ہیں جب یہاں آئے تھے۔ تو بہت ہی معمولی حالت میں تھے۔ مگر اب قابل رشک حالت میں ہیں۔ اسی طرح اگر اور بھائی بھی اس طرف آ کر کاروبار شروع کریں۔ تو آسودہ حال ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت محروم نے کہا ہے۔

کیا لطف ہے سفر میں۔ گھر سے نکل کے دیکھو ÷ کیا آیا ہے بچہ دیر میں گھر سے نکل کے دیکھو
تم کیوں پڑے ہو گھر میں۔ گھر سے نکل کے دیکھو ÷ ہے کیا مزا نظر میں۔ گھر سے نکل کے دیکھو

گھر سے نکل کے دیکھو ہندستان والو

دلکش ہیں۔ دلکشا ہیں نظارہ ہائے عالم ÷ کنج وطن کو چھوڑو۔ دیکھو فضائے عالم
دیکھو بہار تازہ تم کو دکھائے عالم ÷ اٹھو اٹھاؤ بستر! کھاؤ ہوائے عالم

گھر سے نکل کے دیکھو ہندستان والو

مہتہ حبیبی۔ بی۔ اے

گریجویٹ نمبر

قارئین کرام یہ خبر نہایت مسرت سے پڑھیں گے کہ انقلاب کا آئندہ پرچہ "گریجویٹ نمبر" کی صورت میں شائع ہوگا۔ اور اس میں خاص بات یہ ہوگی۔ کہ تمام مضمون نگار و شعرا حضرات گریجویٹ ہی ہونگے ÷

رسالہ کا حجم بھی پہلے پرچوں سے زیادہ ہوگا۔ اور تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ چھپے گا (مشتہرین حضرات اس موقعہ سے خاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں) پرچہ مذکور کئی ایک رنگین و سادہ تصاویر سے مزین ہوگا۔ یقیناً اہل نظر احباب کے لیے تو ایک قیمتی تحفہ ثابت ہوگا۔ بہترین مضامین کی فراہمی کا انتظام نہایت سرگرمی کیساتھ جاری ہے۔ اس خاص نمبر کی قیمت ۸ آنہ فی پرچہ ہوگی۔ لیکن نئے و پرانے خریداروں کو سابقہ قیمت میں بھیجا جائیگا۔ شائقین حضرات ابھی سے نام رجسٹر کریں÷ مینجر انقلاب لاہور

مشاعرۂ "نازکی"

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق — اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے — ذوق

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں — دُکھتے ہیں آج اس بتِ نازک بدن کے پاؤں — غالب

نام خدا وہ ناز سے اترائے جاتے ہیں — چوٹی کا بوجھ پڑنے سے بل کھائے جاتے ہیں — جعفر علی نقوی ابکوٹ

نازکی اتنی کہ جھک جاتی ہے گردن ناز سے — جس گھڑی پڑتی ہے اُن کے کان کے بالے کی جھونک — سیلی [illegible]

نازکی سے یوں گراں ہے سرمہ چشم یار کو — جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو — آتش

پہنے جو جوڑی پہ پھولوں کے ہار — نزاکت سے دُہری کمر ہو گئی

پہنچے ریشم کے نہ ہاتھوں میں پہن — دیکھو نازک ہے کلائی تری — مومن

شفق بے گن ہاں ہے نزاکت تجھ کلائی کی — تم قتل تو کرو گے پہلے شمشیر تو کھینچو — ″

نزاکت اس گل بدن کی دیکھئے انشاء — نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا — انشاء

سونے کا تجھ پہ بھاری ہے زیور جو نازنیں — پھولوں کا تیرے واسطے زیور بنائیں گے

تو پان سے بھی پتلا تو پھول سے بھی نازک — آہوں سے اُڑ نہ جائیو او پھول پان والے — مضطر خیرآبادی

کیا ڈر ہے تمہاری تیغ نے جوہر نکالے ہیں — تمہارے دست و بازو تو یہ اپنے دیکھے بھالے ہیں — داغ

غش آیا جو گا ہاتھ مرے سے کہیں اُس یار کے پھول — دیکھ نزاکت اُس گلرو کی ہم پچھتائے مل کے پھول — استاد ہیرا سنگھ

نزاکت یار کو کہوں کیا کہ ہے گراں بار بھی نظر کا — جو ایسا نازک بدن ہو وہ دل وہ کیسے بار نظر سنبھالے

یہ بارِ کاکل ہے طرہ ایسا سنبھالنا کمر سے مشکل — کمر ہے باریک بال سے بھی یہ بوجھ کیونکر کمر سنبھالے — عاشق

ناتواں نتیں نازنیں لیلے — کوئی پردہ اٹھائے محمل کا — وزیر چند الفت

نزاکت دیکھ لو اس چھیل تن کی — اٹھا لیتا ہے گٹھڑی ڈیڑھ من کی

حال من در فرقت نازک ترست از برگ گل — ناں پئے تحریر خط کاغذ گلابی کردہ ام

کن دیو سو پنو سر ہو تھوڑ ستی جان — رنگ لو پسے تک رہے سب جگ جلک الکن

(ایڈیٹر) — (ڈکویرانج ہرنام داس بی۔اے)

بدعہدی کا انجام

(ایک دردناک دلکش کہانی)

ستمبر کا مہینہ ختم ہونے کو ہے۔ گرمی رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے۔ رات کے آخری حصے میں بالعموم سردی ہو جاتی ہے۔ اسوقت کوئی چھ بجے ہونگے۔ دن چھپنے کو ہے۔ دو نوجوان باہم باتیں کرتے ہوئے شاہ عالمی دروازے کے اندر سے نکلے۔ اور اس باغ میں داخل ہوئے۔ جو لوہاری دروازے کی طرف جاتا ہے۔ جس کا سلسلہ شہر کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ اور جسے سرکلر گارڈن کہتے ہیں۔ یہ باغ لاہور کی ایک خصوصیت ہے۔ کیونکہ یہ بات شاید ہندوستان بھر کے کسی اور شہر کو نصیب نہیں۔

رام چندر بولا۔ بھئی رام کرشن مبارک ہو۔

رام کرشن۔ یہ مبارک باد کیسی؟

ہیم شنکر۔ گویا آپ سمجھے ہی نہیں۔

رام کرشن۔ ہاں! میں نہیں سمجھا۔

ہیم شنکر۔ جی ہاں! ننھے نادان ہو نا!

رام کرشن۔ آخر کیا بات ہے۔ تم مجھے کس بات کی مبارک باد دیتے ہو۔

ہیم شنکر۔ کیا تم سمجھتے تھے۔ کہ ہمیں وہ بات معلوم ہی نہیں ہوگی۔

رام کرشن۔ کونسی بات؟

ہیم شنکر۔ بھائی یہ سب مٹھائی نہ کھلانے کی ترکیبیں ہیں۔ مگر ہم مٹھائی چھوڑنے والے نہیں۔ واہ! یہ چپکے چپکے ہی سگائی کرا لینا۔ اور بیوی والے بن جانا ٹھیک نہیں ہے۔

رام کرشن۔ مگر تمہیں کیسے خبر ہو گئی۔

ہیم شنکر۔ کسی نہ کسی طرح خبر ہو ہی گئی۔ مگر تم نے تو ہم سے یہ بات چھپائی ہے۔

رام کرشن یہ سنکر شرمندہ سا ہوگیا۔ اور بات ٹالنے کے لئے بولا۔ مجھے معلوم ہوگیا۔ نرائن داس نے بتایا ہوگا۔

ہیم شنکر۔ کسی نے بتایا ہو۔ تم نے تو نہیں بتایا۔ بلکہ چھپایا آخر! مگر مٹھائی ضرور کھلانا۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔

رام کرشن۔ کیا اچھا نہیں ہوگا۔

ہیم شنکر۔ ہم سراپ دیں گے!

رام کرشن۔ سراپ دیں گے! واہ سراپ سے ہوتا کیا ہے؟

ہیم شنکر۔ یہ نہ کہو۔ سگائی تڑوا دونگا۔ دیکھو مٹھائی کھلا دو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

رام کرشن۔ بس بس! زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ مٹھائی کھانی ہے۔ یا میری جان لینی ہے۔

ہیم شنکر۔ تو کب؟

رام کرشن۔ کل ہی سہی۔

(۲)

ایک مکان میں چند لڑکیاں بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہیں۔ ان کے چہرے گلاب کی طرح کھلے ہوئے ہیں۔ اور وہ بات بات پر مسکراتی ہیں ہنسی مذاق کرتی ہیں۔

ان میں سے ایک بولی ــــــ اب کوشلیا تو بس ہمارے ہاتھ سے چلی۔

دوسری۔ ہاں بہن! آج اس کی سگائی ہوئی ہے۔ تو کل شادی بھی ہو جائے گی۔

تیسری۔ اور پھر یہ نگوڑی ہماری صورت سے بھی بیزار ہو جائے گی۔

چوتھی۔ ہاں! پھر ہم سے بات بھی نہیں کرے گی۔

کوشلیا یہ باتیں سن کر شرمندہ سی ہوگئی۔ اور منہ بنا کر بولی ــــ واہ! یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ بڑی بےشرم ہو۔

پہلی ۔ اوہو! دیکھنا۔ یہ بڑی شرم والی ہے۔

دوسری۔ اری اس کے دل میں لولڈو سے پھوٹ رہے ہیں۔ بس یہ ہمارے دکھانے کے لئے ہیں بنا رہی ہے۔ دل میں بہت ہی خوش ہے۔ دیکھو۔ وہ مسکرائی۔ دیکھا!

تیسری - کیوں نہ مسکرائے ۔ کیوں نہ خوش ہو ۔ اس کا دولہا بھی تو بڑا خوبصورت ہے ۔ یہ
سہاگوں والی ہے ۔ بیاہ بھی جلد ہو جائے تو اچھا ہے ۔

تیسری - کیوں کوشلیا! شادی کب ہوگی؟

رام کلی - (منہ پھیر کر) اجی! چھوڑو - ان باتوں کو! کوئی اور بات کرو ۔

(۳)

رام کرشن کے والد لالہ کرم چند متفکر بیٹھے ہیں - اور ان کے پاس ان کے دوست امیر چند بیٹھے ہیں
دونوں میں باتیں ہو رہی ہیں -

امیر چند - لالہ جی! یہ خبر جھوٹ ہوگی ۔ ایسا نہیں ہو سکتا ۔

کرم چند - نہیں صاحب یہ بات بالکل سچ ہے ۔ افسوس! کہ وہ لوگ بالکل پھر گئے ۔ مجھے خود بے حد
تعجب ہے ۔ ان سے ہرگز ایسی امید نہیں تھی ۔ مجھے شروع شروع میں یقین ہی نہیں آتا تھا لیکن
اب تو یہ بات بالکل تحقیق ہو چکی ہے ۔

امیر چند - پھر تو واقعی جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے ۔ نسبت کر کے توڑ دینی - زبان دیکر پھر جانا
کہاں کی شرافت ہے ۔ اور کونسی انسانیت ؟

کرم چند - ہماری سخت توہین ہے ۔ ذلت ہے ۔ اور اب ہم بدنامی اور رسوائی سے بچ نہیں
سکتے ۔ کیونکہ جو سنے گا یہی کہے گا ۔ کہ لڑکے میں یا اس کے خاندان میں ضرور کوئی عیب ہوگا ۔ بس
اسی وجہ سے نسبت توڑ دی گئی ۔ خیر میں بھی ان لوگوں کو وہ مزا چکھاؤں ۔ کہ عمر بھر ہی یاد کیا کریں ۔

امیر چند - آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ؟

کرم چند - میں ان پر ہتک عزت کی فوجداری اور ہرجانے کا دیوانی دعوے کر دونگا ۔ ذرا انہیں معلوم
تو ہو ۔ کہ بے ایمانی کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے ۔

امیر چند - (سوچ کر) آپ کو ان پر دیوانی اور فوجداری دعوے کرنے کا حق ہے ۔ اور آپکے مقدمے
جیت جانے کی بھی امید ہے ۔ لیکن ....

کرم چند - لیکن کیا ؟

امیر چند - اس میں آپ کی بھی تو بدنامی ہے ۔ ایسا دعوے آج تک کسی ہندو نے بلکہ شاید کسی

ہندوستانی نے نہیں کیا ۔ اور اس کی وجہ محض اپنی بے عزتی کا خیال ہے ۔

کرم چند ۔ ہاں! ایسے دعوے تو واقعی کم ہوتے ہیں ۔ لیکن اسی وجہ سے تو لوگ زبان دے کر پھر جاتے ہیں ۔

امیر چند ۔ مگر انہوں نے آپ کے ہاں سے نسبت آخر چھوڑی کیوں؟

کرمچند ۔ روپے کے لالچ سے ۔ اور کس وجہ سے!

امیر چند ۔ کیا مطلب؟

کرمچند ۔ انہوں نے ہمیں غریب دیکھ کر نسبت توڑ دی ۔ اور رائے بہادر کے بیٹے سے نسبت کر دی ۔ جو بی ۔ اے ہے ۔

امیر چند ۔ اچھا یہ بات! بہت ہی برا کیا ۔ بہت نالائق حرکت کی ۔

کرمچند ۔ نہایت ذلیل حرکت!

امیر چند ۔ لیکن اگر آپ میری صلاح مانئے ۔ تو چپ ہو رہیئے ۔ صبر کیجئے ۔ صبر کا پھل میٹھا ۔ ایشور بھلی کریں گے ۔ آپ کو اچھا بدلا دیں گے ۔ بے ایمان کا ستیاناس کریں گے ۔ آپ رام کرشن کا رشتہ دوسری جگہ تلاش کیجئے ۔ ایشور آپ کی مدد کریں گے ۔ اب ان لوگوں سے کسی قسم کا جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے ۔ بلکہ بدنامی ہے ۔

(۴)

کرم چند کے بیٹے رام کرشن کی نسبت مہاشہ اندرجیت کی بیٹی کو شملیہ سے ستمبر ۲۵ء میں ہوئی ۔ تمام رسمیں دونوں طرف سے ادا کی گئیں ۔ جن میں روپیہ کچھ کم خرچ نہیں ہوا ۔ لڑکی اور لڑکے والوں نے اس سے پہلے ذات ۔ پات ۔ خاندان اور چال چلن کی خوب تحقیقات کر لی تھی ۔ اور اس کے بعد یہ رشتہ کیا تھا ۔

لیکن اس کے باوجود لالہ کرم چند کو معلوم ہوا ۔ کہ مہاشہ اندرجیت نے اپنی لڑکی کی نسبت رائے بہادر کندن لال کے بیٹے ہر جی لال سے کر دی ۔ اور غضب یہ کیا ۔ کہ خود انہیں خبر بھی نہیں کی ۔

اس خبر سے لالہ کرم چند کو سخت صدمہ پہنچایا ۔ اور وہ اندرجیت پر فوجداری اور دیوانی دعوے

کرنے پر تیار ہو گئے ۔ لیکن جب ان کے دوستوں اور خاندان والوں نے انہیں نشیب و فراز سمجھایا کہ مقدمہ چلانے میں اپنی بھی بدنامی ہے۔ تو وہ بے چارے چپ ہو گئے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

اندر جیت نے کرم چند کے ہاں سے رشتہ توڑ کر رائے بہادر سے رشتہ کیوں جوڑا؟ اسکا سبب امیری غریبی اور بے اصولی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

(۵)

ایک حیرت ناک حادثہ

ایک نہیں دو خون

نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ کہ کل رات نو بجے ایک ایسا حسرتناک واقعہ پیش آیا ہے۔ جس کا شور تمام شہر میں پڑا ہوا ہے۔ واقعات یہ ہیں۔ کہ کل ہمارے شہر کے معزز رئیس رائے بہادر لالہ کندن لال کے لائق فرزند لالہ ہر چرن لال بی۔ اے کی شادی تھی۔ تیاری مہینوں سے ہو رہی تھی۔ برات شہر میں نہایت دھوم دھام سے گشت کرنے کے بعد مہاشہ اندر جیت کے مکان پر پہنچی۔ جن کی دختر سے لالہ ہر چرن لال کی شادی ہونے والی تھی

لیکن نو بجے کے قریب ایک نوجوان نے نوشہ پر اچانک پستول سے حملہ کر کے اُسکا کام تمام کر دیا۔ اور پھر اسی پستول سے خودکشی کر لی۔ افسوس ہمیں ہر دو نوجوانوں کے متعلقین سے ہمدردی ہے۔ ہم رائے بہادر صاحب سے بالخصوص اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قاتل کا نام رام کرشن ہے۔ اور وہ لالہ کرم چند کا بیٹا تھا۔ اور پہلے اس کی نسبت مہاشہ اندر جیت کی بیٹی کوشلیا سے ہوئی تھی۔ مگر بعد میں یہ نسبت توڑ دی گئی۔ اور کوشلیا ہر چرن لال سے منسوب کی گئی۔

رام کرشن، ہر چرن لال، کا دوست تھا۔ نسبت ٹوٹنے کے بعد رام کرشن کچھ چپ چپ رہنے لگا۔ اس کے دوستوں کا بیان ہے۔ کہ وہ کبھی کبھی نیم دیوانوں جیسی حرکات کرنے لگتا تھا۔

معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ رام کرشن نسبت کی تبدیلی سے ہر چرن لال کا دشمن بن گیا۔ لیکن اس نے اپنے خیالات اور جذبات چھپائے۔ اور دل ہی دل میں انتقام کی کھچڑی پکاتا رہا۔ حتےٰ کہ عین شادی کے دن ہر چرن لال کا کام تمام کر کے خودکشی کر لی۔ افسوس صد افسوس!! شہر میں اس بات کا چرچا ہے۔ کہ یہ نسبت غریبی اور امیری کی وجہ سے تبدیل کی گئی۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ یہ حادثہ نسبت توڑنے کے باعث واقع ہوا۔ اور اس بات نے دو ہونہار نوجوانوں کی زندگیوں کا افسوسناک خاتمہ کیا۔

ہندوؤں کو اس عبرت آمیز واقعہ سے سبق لینا چاہیئے۔ اور نسبت کر دینے کے بعد توڑنی ہرگز نہیں چاہیئے (ایڈیٹر اخبار ....)

: اڈیٹر زادہ ڈاکٹر اے۔ ایس بھٹناگر شاد۔ بی۔ اے

آئیندہ کرسمس نمبر میں آپ کی ایک اور بھی نیچرل کہانی زینت افروز ہو گی۔

آج ہم اس شاعر گمنام کا کلام بلاغت نظام ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ جو نوجوان ہونے کے باوجود تغزل گو بھی ہیں۔ اور مرقع کار بھی۔

مدت کے بعد ایسا کلام دیکھنے میں آیا ہے۔ جو بزم و رزم کی خیال آرائیوں میں ایک جیسا ہو۔ آپ کا نام نامی نفیس خلیلی ہے۔ آپ شروع ہی سے عشقیہ شاعری کے خلاف ہیں تاہم آپ کی نظم تغزل کی جان ہوتی ہے۔ آپ نظم کو تغزل پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور ہمیشہ ایسی نظمیں لکھتے ہیں۔ جس سے کوئی نیک سبق ملتا ہو۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی کار ہیں سیاسی نظمیں لکھنے سے کو پرہیز کرتے ہیں۔ لیکن خاص خاص نظمیں لکھتے وقت ان

میں بعض بعض جگہ نہایت پتے کی کہہ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر نظم بھارت و خلافت جو ہزاروں کی تعداد میں شایع ہو کر فروخت ہو چکی ہے۔

حال ہی میں آپ نے رامائن کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جو اس وقت ریویو کی غرض سے پیش نظر ہے۔ نہ صرف حسن ظاہری کے لحاظ سے خوبصورت جاذب نظر ہے بلکہ باطنی طور پر بھی سر تا پا مرقع ہے ہم ہندو ہونے کی حیثیت سے آپ کے اس احسان کا جو آپ نے رامائن لکھ کر ہندو قوم پر کیا ہے شکرگذار ہوتے ہیں۔

رامائن زیر تبصرہ ہی سے سیتا سوئمبر کا کچھ حصہ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے درج ذیل کرتے ہیں۔

کتاب منظوم ایک سو چار صفحوں پر مشتمل ہے۔ جس پر نہایت خوبصورت قابل دید جلد بندھوائی گئی ہے۔ کتاب پر زر خطیر خرچ کرنے کے باوجود قیمت صرف ایک روپیہ ہے نظم نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔ اور خاصکر ہندو بچوں کے لئے ازحد مفید ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ نفیس فیبلی۔ امرتسر۔ دروازہ ہاتھی۔ کوچہ سنتی خاں کوتوال۔

(ایڈیٹر)

سیتا سوئمبر

بے شبہ شاہی بوستاں	خوبی میں تھا باغ جناں
غنچہ چٹکتا تھا کہیں!	اور پھول ہنستا تھا کہیں
موج صبا رشک پری	زوج رواں گلزار کی
کوئی کہتے اک حور ہے	اور کیا نشے میں چور ہے
باد سحر ہے، یا کہ مے	سارا چمن مدہوش ہے
تھی وجد میں ہر شاخ گل	ہر پھول مست جام مل

نازک ادا، خندہ جبیں — سیتا گلوں کی ہم نشیں
سکھیاں حلقے کیے — آغوشِ راحت میں لیے
اک چاند، ہالے میں ہو — ایسے ہی سیتا کو کہو
گل پیرہن، غنچہ دہن — گویا چمن اندر چمن،
گلزار کو رشک آ گیا — گل دیکھ کر شرما گیا
نرگس بھی کہتی تھی نہیں ✣ ایسی حسیں دیکھی نہیں

دو شہ رگیں، بانکے جواں — با ترکش و تیر و کماں
رشکِ قمر، نورِ نظر — بے ساختہ نکلے ادھر
گلشن میں شورِ الحذر — اٹھا، کہ جاتے ہو کدھر
سیتا پہ ہے میرِ چمن — ہے باغ میں جلوہ فگن
نرگس نے کچھ گھورا نہیں — سوسن نے کچھ ٹوکا نہیں
لیکن وہ سنتے تھے کہاں ✣ آگے بڑھے، تو ناگہاں

دیکھا، کہ اک رشکِ پری — صحنِ چمن میں ہے کھڑی
ہیں ساتھ کچھ ہمجولیاں — ہمسال و ہمرنگ و جواں
آتش بھبھوکا رنگ ہے — مہتاب جس سے دنگ ہے
ہاں، حسن تو وہ چاند ہے — خورشید جس سے ماند ہے
یہ کیفیت ہے چشم کی — ہے کوٹ کر مستی بھری
شرم و حیا کی جان ہے ✣ مہر و وفا کی کان ہے

یہ حسن، یہ ناز و ادا — بولے، کہ اُف! پرماتما
کیا نور کی تصویر ہے — تیری عجب تحریر ہے
دل نیم بسمل ہو گیا — سو جاں سے مائل ہو گیا
سیتا نظر نیچے کیے — راما جگر تھامے ہوئے
یہ اِس طرف خاموش ہیں — وہ اُس طرف مدہوش ہیں

پتھر کی مورت مان لو ✤ چینی کا پتلا جان لو

اے دل بتا کیا بات ہے | سب سو رہے ہیں رات ہے
کیوں آج نیند آتی نہیں | کیوں بے کلی جاتی نہیں
شب کیا یونہی ہو گی بسر | ہونے کو آئی ہے سحر
کچھ بھید ہے ورنہ کبھی | تیری نہ یوں حالت ہوئی
دیکھے ہزاروں دلربا | دل پر اثر اصلا نہ تھا

مطلق قرار آتا نہیں ✤ انکا دھیان جاتا نہیں

یہ کب بھلا معلوم تھا | وہ مہ لقا وہ دلربا
وہ رشکِ گلزارِ جناں | وہ غیرتِ صد بوستاں
خجلت دہ سروِ رواں | آرامِ جانِ ناتواں
رونق دلِ مہجور کی | پتلی سراپا نور کی
خورشید رخ مہتاب رو | سیتا، جنک کی آرزو

راما سے بیاہی جائے گی ✤ یوں آرزو بر آئے گی

نیر لقب، عالی نسب | شاہنشہ خورشید حسب
اور رنگِ گردوں پر ہوا | باکرّوفر جلوہ نما
تارے ہوئے یکبار گم | گویا بھرا بازار گم
شب کا محل جاتا رہا | مہتاب کا سکہ مٹا
ہر ذرہ نورانی ہوا | مہ نور سے پانی ہوا

کرنوں نے ٹھوڑی چوم لی ✤ سرمست خواب ناز کی

ہر مملکت کا حکمراں | دل کا دھنی شیر ژیاں
دربار میں جلوہ کناں | صد گل درونِ بوستاں
بالائے سطحِ آسماں | انجم ہوں جیسے ضوفشاں
دکھلا کے شوخی کی کماں | بولے جنک، اے راجگاں

جو تیر اس پر جوڑ دے　　یا اس کماں کو موڑ دے

نورِ نظر، آرامِ جاں　　✣　　سیتا ہے اس کی کامِ جاں

ہر دل کو اک جنبش ہوئی　　جوشاں مئے بینش ہوئی

بولے سبھی کرسی نشیں　　یہ بات تو مشکل نہیں

راون بھی تھا واں جلوہ گر　　دربار میں با کرّ و فر

طاقت پہ سو سو ناز تھے　　کیا ناز کیا انداز تھے

کی خرچ سب تاب و تواں　　لیکن ہوئیں ناکامیاں

رخ زرد پیلے پڑ گئے　　✣　　نادم، زمیں میں گڑ گئے

جب سب کی باری ہو چکی　　اک خامشی سی چھا گئی

دربار میں سکتہ ہوا　　اُٹھے جنک اور یوں کہا

تم میں کوئی رانا نہیں　　تم میں کوئی راجا نہیں

تم سر زمیں کے شاہ ہو　　تم شیر یا روباہ ہو

تم مرد یا نامرد ہو　　تم کارواں یا گرد ہو

سب راج کل کے ننگ ہو　　✣　　ان آئینوں کے زنگ ہو

سن کر جنک کی گفتگو　　بھر آیا آنکھوں میں لہو

رگھبیر نے روکا انہیں　　دشوا نے گو ٹوکا انہیں

لچھمن کو پر جوش آ گیا　　ضرغام غصہ کھا گیا

بولے، کماں کیا چیز ہے　　یاں کوہ بھی کشتیز ہے

قوس و قزح کو توڑ دیں　　تیرِ قضا کو موڑ دیں

ہم ہیں وہ پیچ و تاب ہیں　　✣　　شمشیروں کے زہر آب ہیں

لاکھوں میں گویا فرد ہیں　　میدان کے ہم مرد ہیں

ضرغام ہیں ہم زور میں　　رعدِ خروشاں شور میں

گرمی میں ہیں برقِ تپاں　　نرمی میں ہیں آبِ رواں

سختی میں ہم فولاد ہیں　　دشرتھ کی ہم اولاد ہیں
آ جائیں غصے میں اگر　　کر دیں جہاں زیر و زبر
اژدر کی پسلی توڑ دیں　＊　شیروں کا بھیجا پھوڑ دیں

ہمدوشِ الیاس و خضر　　سرحلقۂ اہلِ نظر
گم گشتگاں کے رہنما　　بیچارگاں کے آسرا
لچھمن کے تیور دیکھ کر　　بولے رشی دشوامترا
لچھمن! نہ یونہی گرم ہو　　آمادۂ آزرم ہو!
رگھبیر موڑینگے کماں　　تم دیکھنا یہ آسماں
پھٹ کر نہ گر جائے کہیں　＊　یا شق نہ ہو جائے زمیں

راما سے پھر بولے کہ ہاں　　اے نورِ دل آرامِ جاں
وقت آ گیا، اب جائیے　　بازو کا بل دکھلائیے
جا کر کماں کو موڑیئے　　یوں موڑیئے۔ بس توڑیئے
تیور ذرا دکھلائیے　　شیروں کی صورت جائیے
کچھ کان میں سمجھا دیا　　کیا جانے کیا سکھلا دیا
انگڑائیاں لیتے ہوئے　＊　اٹھے عجب انداز سے

اک غل ہوا، شیر آ گیا　　اک خوف سب پر چھا گیا
گھورا اسے، دیکھا اسے　　تھرا گیا، تاکا جسے
شیروں میں یہ طاقت کہاں　　اس زور سے موڑی کماں
دو تین ٹکڑے ہو گئے　　کچھ اڑ گئے، کچھ کھو گئے،
دل میں سیتا اترا گئی　　اترا گئی، شرما گئی
بے حد خوشی دل کو ہوئی
سب بول اٹھے "جے رام کی"

نوٹ:۔ سیتا بھر کی ڈائری "کچھ ادھر ادھر کی" بوجہ عدم گنجائش درج نہیں ہو سکے۔ (مینجر)

آئینہ جذبات

یہ کتاب ہمارے محترم دوست جناب سردار پورن سنگھ صاحب محتاج اہلووالیہ کے چند مضامین نظم و نثر کا مجموعہ ہے۔ جو چھوٹی تقطیع پر شائع کیا گیا ہے۔ ضخامت ۷۶ صفحات کی ہے۔ طباعت و کتابت کے متعلق صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے۔ کہ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

مقدمہ جناب محتاج کے ایک "دیرینہ دوست" نے لکھا ہے۔ لیکن مقدمہ کی جو غرض و غایت عموماً ہوا کرتی ہے۔ وہ پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ بجائے اس کے کہ آپ کے ادبی محاسن و خصوصیات کو ابھارا جاتا۔ خاندانی وجاہت کا نہایت بلند آہنگی سے ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا بظاہر علمی و ادبی خصوصیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مقدمہ میں گو سلاستِ بیانی کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ لیکن کہیں کہیں بہت سی باتیں سطح اردو سے ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۹ پر "دیرینہ دوست" لکھتے ہیں۔

"ہمارے سردار صاحب (مصنف) کے بڑے بھائی سردار گوبند سنگھ صاحب سب انسپکٹر پولیس ہیں۔"

صفحہ ۷۲ پر حضرت مولانا عزیز لکھنوی نے جناب محتاج کے کلام پر ایک مختصر مگر پُر مغز تبصرہ کیا ہے۔ جس کے مقابل اپنی حقیر رائے کا اظہار کرنا گویا آفتاب کے روبرو مشعل جلانا ہے۔ لیکن تنقید نگاری کے فرائض مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

آئینہ جذبات میں نثر کے جسقدر مضامین ہیں۔ وہ زیادہ تر ٹیگور کے رنگ میں ہیں۔ گو ٹیگور کی تقلید ہمارے لئے سرمایۂ ناز نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جناب محتاج اس طرز انشاء میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں "شیریں تبسم" "پھولوں کا گچھا" "خواب پریشان" ان مضامین میں جذبات صحیح کی کیف آفرینی اور ذوق سلیم کے

تواجد کے لئے تمام سامان موجود ہیں۔

اب ہم ذیل میں لائق مصنف کے حصۂ قلم پیش کرتے ہیں۔ جس سے ارباب نظر کو خود اندازہ ہو جائے گا۔ کہ آپ کے خیالات کسقدر وسیع اور آپ کا کلام بیہودہ مبالغوں اور صنائع بدائع کی ملمع کاریوں سے کتنا مبرا ہے۔

صفحہ ۷۰ پر زیر عنوان "کیف بیخودی" یہ دو اشعار آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ کہتے ہیں ؎

باد سحر نے چھیڑ دیا ساز سرمدی　　غنچوں نے بیخودی میں ہنسی اختیار کی
یہ چاندنی میں عکس پڑا کس کے حسن کا　　زریں ہر ایک موج ہوئی آبشار کی

ان دونوں اشعار میں خیالات کی رفعت اور پاکیزگی پر غور کیجئے۔ اور لطف اٹھائیے۔

سوز و گداز ایک ایسی چیز ہے۔ جو شعر کی روح رواں کہی جاتی ہے۔ یہ دولت مشکل سے کسی شاعر کو نصیب ہوتی ہے۔ جناب محتاج بفضلہٖ اس صنف میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ [illegible] مضامین آفرینی اور فلسفہ نگاری میں بھی آپ کو اچھی دسترس حاصل ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار کے دیکھنے سے پتہ چل سکتا ہے۔ کہ آپ کے تخیلات کی دنیا کسقدر وسیع و لطیف ہے۔ اور آپ کو قدرت نے کیسا [illegible] دل و دماغ عنایت فرمایا ہے

سانس لینا موت کا پیغام ہے　　زندگی کیا۔ اک خیال خام ہے
آنسوؤں سے اک تلاطم ہے بپا　　رونے والے۔ ابتدائے شام ہے
زندگی ہے ایک دشت ہولناک　　قبر کیا ہے اک گوشۂ آرام ہے
کوئی حد میری بیکسی کی ہے　　جو مجھے دیکھتا ہے روتا ہے
شوق کا فرض کچھ بنانا ہے　　وقت کا کام ہے مٹا دینا
زندگی درد کی کہانی ہے　　روح کیا۔ آنسوؤں کی پونجی ہے
اس اضطراب عشق میں سیرت بدل گئی　　ہم کو کسی کے درد نے انسان کر دیا
شادمانی جسے سمجھتے تھے　　وہ حقیقت میں پردۂ غم تھا

چاندنی رات اور ابر بہار ——— آہ روتا ہے کون زار و نزار
پریشانی پریشانی کو میری دور کردے گی ——— مری افسردگی ہمت کا ساماں کرکے چھوڑیگی

المختصر "آئینہ جذبات" میں اس قسم کے بہتر سے رنگین اور دلآویز لطیف و نازک اشعار موجود ہیں۔ جو یقیناً مستغنی از داد ہیں۔ اور جن کی خوبی پڑھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

تنقید کا ایک رُخ ہو چکا۔ اور اگرچہ ایک تنقید نگار کی حیثیت سے مجھے آئینہ جذبات کا تاریک رُخ بھی دکھانا چاہیئے۔ لیکن میں اس سے عمداً گریز کرتا ہوں۔ جناب محتاج گجرات کے رہنے والے ہیں۔ جہاں اردو زبان کے لوٹنے اور سمجھنے والے کم ہیں۔ بایں لحاظ جناب محتاج کا کلام بھی "لسانی لغزشات" سے منزہ و مبرا نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس میں اتنے نقائص ہرگز نہیں ہیں۔ کہ کتاب کے محاسن ان سے مغلوب ہو جائیں۔ اس میں مطلق شک نہیں کہ جناب محتاج صاحب کا کلام عامیانہ مذاق۔ رعایت لفظی۔ ضلع اور رکیک ابتذالیوں سے قطعاً محفوظ ہے۔ بلکہ بخلاف اس کے آپ کے کلام کی بنا جذبات عالیہ پر ہے۔ اور واردات قلب سے معمور نظر آتی ہے۔ یہ بات بھی لائق صد ستائش ہے۔ باوجودیکہ آپ کا وطن گجرات ہے۔ لیکن قدرت نے آپ کو اتنا رنگین ذوق ادب ملا ہے۔ خدا کرے۔ کہ آپ ہمیشہ اسی طرح اپنے [illegible] سے اردو علم و ادب کی آبیاری کرتے رہیں۔ (تسکین قریشی)
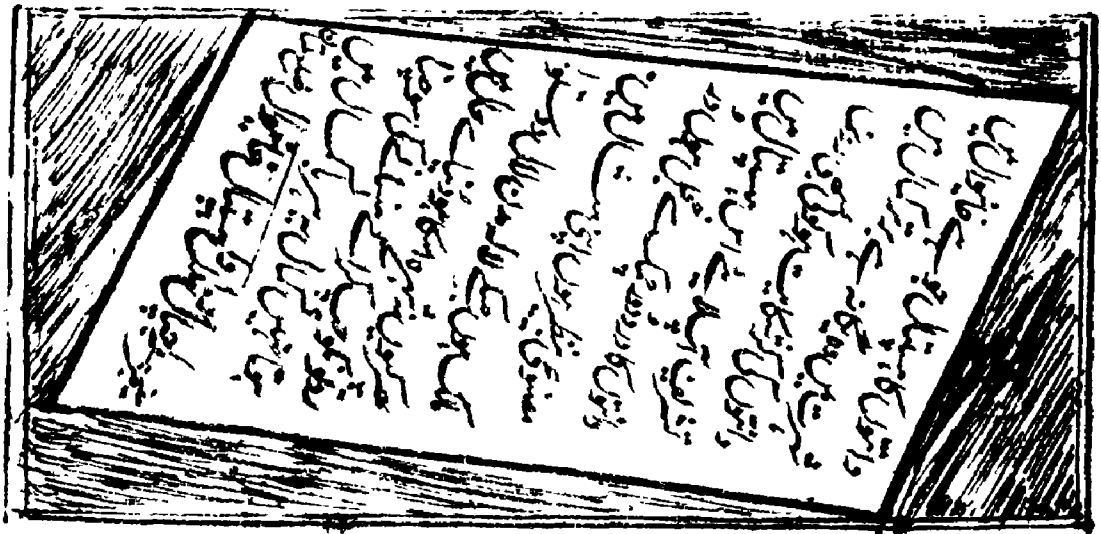
تین روپیہ کی کتابیں مفت جو خریدار صاحب معمہ ذیل کا صحیح حل اور ساتھ ہی ایک سال کا چندہ اگر ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۶ء تک دفتر انقلاب میں بھیجدینگے ۔ تو ان تمام اصحاب کے نام قرعہ اندازی کی فہرست میں شامل کئے جائینگے جس صاحب کے نام تاریخ مقررہ پر قرعہ برآمد ہوگا انہیں **راجہ کا ہیرا** (۸۶ صفحات) پارس مصنفہ سدرشن (۲۰۴ صفحات) گلدستہ حکایات (۲۷ صفحات) راز تندرستی (۴۶ صفحات) کرشمہ اتحاد (۶۰ صفحات) یہ تین روپیہ کی کتابیں بالکل **مفت** بطور انعام نذر کی جائینگی ۔ انقلاب جاری کرانے والوں کے لئے قسمت آزمائی کا یہ نہایت عمدہ موقعہ ہے ۔ امید ہے ۔ شائقین اس موقعہ کو ہاتھ سے ہرگز نہیں جانے دیں گے ۔ معمہ ذیل میں درج ہے ۔

معمہ میرے نام میں چھ حروف ہیں (۱) پہلا ۔ چھٹا ۔ پانچواں حرف ملانے سے **باپ** بنتا ہوں ۔ (۲) تیسرا ۔ چوتھا اور چھٹا حرف ملانے سے جسم انسانی کا **فرمانروا** ہوں ۔ (۳) چوتھا ۔ پانچواں حرف ملانے سے ایک انگریزی لفظ بن جاتا ہوں ۔ جسکے معنی **قانون** کے ہیں ۔ (۴) دوسرا اور چھٹا حرف ملانے سے ہر خواندہ شخص کے کام کی ایک اہم چیز ہوں ۔ اگر الٹا کر دیا جائے ۔ تو لوگ مجھے میدان یا جنگل کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔ اب فرمائیے میرا کیا نام ہے

بنگالی دیوی مفت ناظرین کرام کی جدت آزمائی کے لئے انقلاب ماہ ستمبر کے صفحہ ۲۳ پر چوچار تصویریں خاص صنعت سے مملوشدہ پیش کی گئی تھیں ۔ ان کی تصریح کے سلسلہ میں بہت سے اصحاب کے خطوط موصول ہوئے تھے ۔ لہذا حسب اعلان بذریعہ قرعہ اندازی ناول "بنگالی دیوی" قیمتی ۸ آنہ کے مستحق مسٹر مشتاق احمد صاحب آزاد باغ جھنڈا سنگھ امرتسر قرار پائے ہیں ۔ جن کو یہ کتاب بھیجدی گئی ہے ۔

صاحب موصوف کا جواب حسب ذیل تھا ۔

(۱) تصویر نمبر ایک جو گوشہ پر ہے ۔ اسمیں مصور نے یہ جدت رکھی ہے ۔ کہ انگریزی کے ہندسے ایک سے لے کر ۹ تک معہ صفر موجود ہیں ۔

(۲) باقی تین تصویریں گونا نقلاب کا نقشہ ہیں ۔ ہر ایک تصویر دگنی لطف دیتی ہے ۔ اگر صفحہ ۲۳ کو الٹا دیا جائے یعنی صفحہ کا نمبر نیچے کیطرف کر دیا جائے ۔ تو تینوں منقلب تصویریں نئی تصویریں ظاہر کریں گی یعنی پہلی تصویر ایک نوجوان کی ۔ درمیانی ایک عینک والے کی اور تیسری ایک ارسٹاکریٹک آدمی کی ہے ۔

ہمارے ہاں ہر قسم کی دوائی تھوک اور پرچون ارزاں قیمت پر مل سکتی ہے
ایجنٹوں کی ہر جگہ ضرورت
پیپٹ لو
ریپڈ
سول ایجنٹس
ماسٹر ہری سنگھ اوبرائے اینڈ سنز انگریزی دوائی فروشان ریلوے روڈ لاہور
ڈاکٹر بنو!
گھر بیٹھے بذریعہ خط و کتابت ہومیو پیتھک بایو کیمک ڈاکٹری
سیکھ کر باقاعدہ سندیافتہ ڈاکٹر بن کر سینکڑوں روپیہ
ماہوار کماؤ۔ اور اپنے مستقبل کو شاندار بناؤ۔ یہ کالج
گورنمنٹ سے باقاعدہ رجسٹرڈ ہے۔ اس کے
سندیافتہ ہر جگہ پریکٹس کر سکتے ہیں۔ کمپوڈر حکیم۔ وید اور
دیگر باتعلیم شائقین طلب حالات کے لئے مکمل پراسپکٹس
فوراً طلب کریں۔
پرنسپل جرمن ہومیو پیتھک میڈیکل کالج
برانڈرتھ روڈ لاہور
رسالہ ہینگ
یہ ایک نہایت دلچسپ رسالہ ہے جس میں اصلی ہینگ
کی شناخت اور خواص و فوائد بالتفصیل درج ہیں
اسمیں تمام وہ نسخہ جات بھی موجود ہیں۔ جن کا
جزو اعظم ہینگ ہی ہے۔
چار آنے کے ٹکٹ آنے پر یا چار کتابوں کا
یکجا آرڈر آنے پر بصورت وی پی بھیجا جاسکتا
ہے
مالک ہینگ بکس ڈیرہ اسماعیل خان۔

(اسلامیہ سٹیم پریس بھاٹی دروازہ لاہور میں باہتمام مہتہ فتح چند منیجر پرنٹر پبلشر چھپ کر دفتر نقاش سے شائع ہوا)